

# حُرمتِ سُود

اشکالات کا علمی جائزہ



مولانا گوہر رحمن

۲  
ح

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ  
وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ

معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

### تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے  
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ [KitaboSunnat@gmail.com](mailto:KitaboSunnat@gmail.com)

🌐 [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)

# حُرْمَتِ سُودِ اَشْكَالَاتِ كَالْمِی جَائِزَه

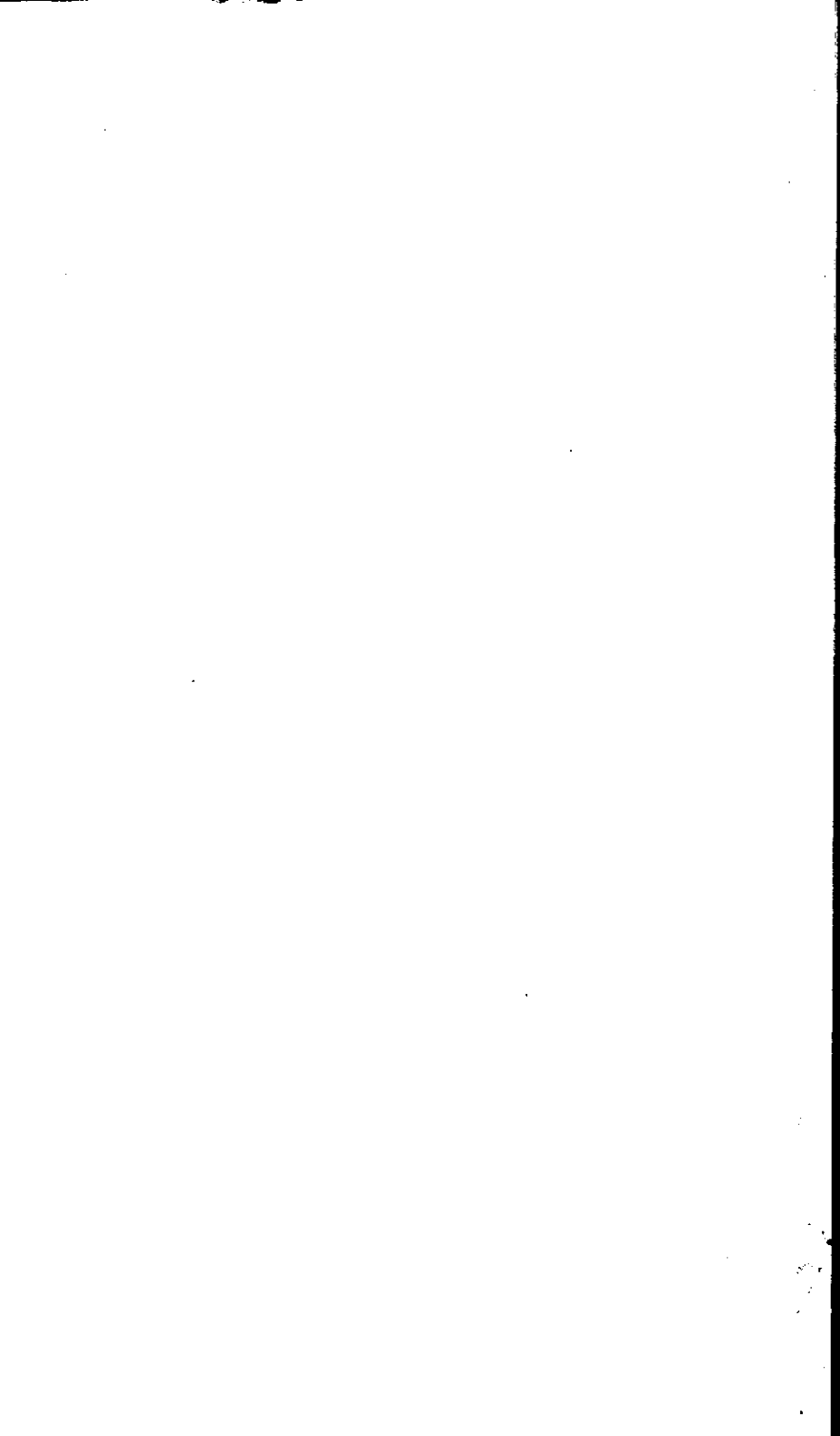
وقایع شرعی عدالت کے سوالنامے کا جواب

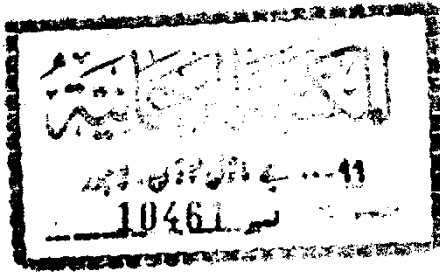
مولانا گوہر رحمن



ادارۃ معارفِ اسلامی

منصوبہ ○ لاہور ○ پاکستان





258.3

گل وہ - ح

جملہ حقوق بحق ادارہ معارف اسلامی محفوظ ہیں

حرمیت سودا شکالات کا علمی جائزہ

مولانا گوہر الرحمن

قومی پریس

جنوری 1993ء تعداد 1000

جون 1997ء تعداد 1100

نام کتاب

تصنیف

مطبع

باراول

باردوم

قیمت

مکتبہ معارف اسلامی، منصورہ

ملتان روڈ، لاہور۔ 54570

فون:- 448022 - 447913 - 7830033

## فہرست مضامین □□



۱۱	ربا کی تعریف	۱۱۱۱
۱۱	* ربا کے لفظی اور لغوی معنی	
۱۲	* ربا کا شرعی مفہوم قرآن کی روشنی میں	
۱۳	* ربا کا مفہوم احادیث اور آثار کی روشنی میں	
۱۷	* ربا کی تعریف اجماع امت کی روشنی میں	
۱۷	* ربا کی تعریف مفسرین و فقہاء کی نظر میں	
۲۰	* ربا کی اس تعریف میں سود مرکب بھی شامل ہے	
۲۵	* ربا حکمی یا ربا خفی یا ربو الفضل	
۲۹	غیر سودی بنکاری کی عملی صورت	۱۱۱۱
۳۳	* حکومت کی جانب سے جاری کردہ قرضوں پر سود کا مسئلہ	
۳۵	* بینکوں سے غیر سودی قرضے حاصل کرنے کی متبادل تجاویز	
۴۰	* نجی اور سرکاری بنکاری میں امتیاز کا مسئلہ	
۴۰	* ذریعہ نقد کے استعمال پر معاوضہ لینا ربا ہے	
۴۵	* اشیاء استعمال کے معاوضے اور نقدین کے استعمال کے معاوضے کے درمیان وجہ امتیاز	

- ۴۸ \* کرنسی کی قیمت میں کمی کا اثر قرض کی اصل رقم پر سب سے پڑتا
- ۴۹ \* سونے کی قیمتوں اور استعمالی اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کا اثر
- ۵۰ \* ملکی اور غیر ملکی تجارت کی کامیابی کی تجاویز
- ۵۰ \* دو مسلم ریاستوں یا مسلم اور غیر مسلم کے مابین سودی کاروبار
- ۵۲ \* مسلمان اور کافر کے درمیان دارالحرب میں سودی کاروبار کا مسئلہ
- ۵۳ \* امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے دلائل
- ۶۲ \* علماء دیوبند کا فتویٰ
- ۶۳ \* ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کے دلائل

### بیمے کا کاروبار سود کے بغیر

- ۶۷ \* بیمہ کمپنیوں کا مروجہ نظام سود اور قرار پر مشتمل ہے
- ۷۳ \* بیمے کی جائز صورتیں

### پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگ اکاؤنٹس

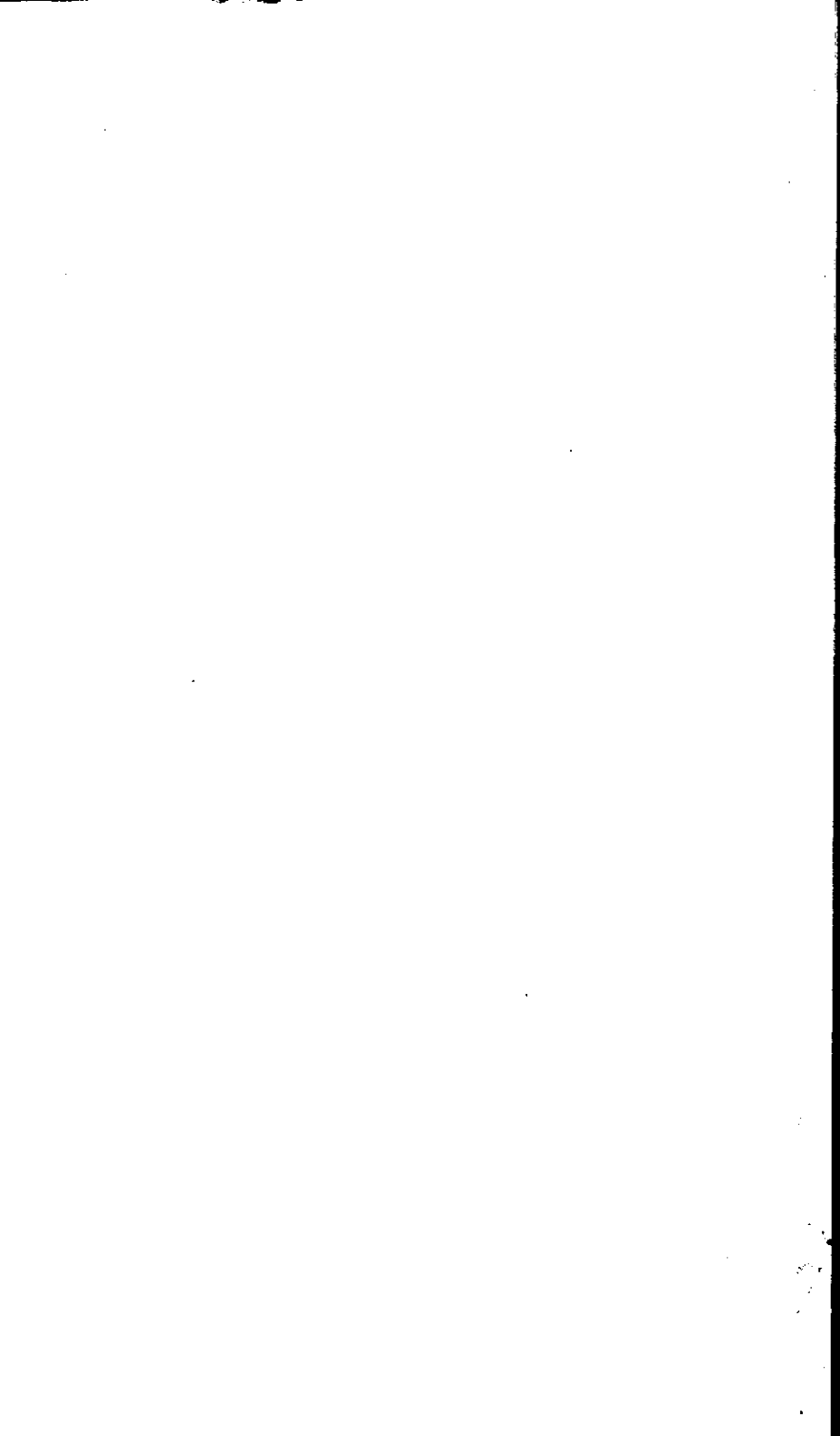
- ۷۹ \* انعامی بانڈز
- ۸۲

### تجارتی قرضے اور غیر تجارتی قرضے

- ۸۵ \* نام کی تعریف
- ۸۶ \* بچت پر ابھارنے اور کنفایت شعاری کے محرکات
- ۹۱ \* ٹیکس لگانے کا مسئلہ
- ۹۲
- ۹۳ \* بین الاقوامی سودی معاہدے

- ۹۳ \* بین الاقوامی ربا کے بارے میں تنقیح طلب امور
- ۹۶ \* حرمتِ ربا کے بارے میں قرآنی آیات عام ہیں
- ۹۷ \* حرمتِ ربا کے بارے میں احادیثِ نبویہ
- ۱۰۸ \* قرآن و سنت کے عام حکم میں شرعی دلیل کے بغیر تخصیصِ جائز نہیں ہے
- ۱۰۹ \* عام کی فنی تعریف
- ۱۱۳ \* اسلامی حکومت قومی اور بین الاقوامی اداروں میں اسلامی احکام کی نمائندگی کرے
- ۱۱۳ \* غیر مسلموں کے ساتھ غیر شرعی کاروبار
- ۱۱۸ \* مسلمان اور حربی کافر کے درمیان دار الحرب میں سودی کاروبار کا مسئلہ
- ۱۱۹ \* دار الحرب میں سودی کاروبار کے بارے میں فقہاء اسلام کی آراء
- ۱۶۳ \* دار الحرب میں جوازِ ربا کے مبینہ دلائل
- ۱۳۵ \* علماء دیوبند کا فتویٰ
- ۱۳۶ \* سودی معاہدوں کی شرعی حیثیت نہیں ہے
- ۱۵۳ \* کیا بین الاقوامی سودی معاہدے نظریہ ضرورت کے تحت جائز ہیں؟
- ۱۶۰ \* بین الاقوامی سودی قرضوں سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے
- ۱۶۱ \* مولانا مسوددی کی رائے
- ۱۶۵ \* سودی معاہدوں اور ادائیگیوں کو شریعت کے اطلاق سے مستثنیٰ کرنا قرآن و سنت کے خلاف ہے





## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### دیباچہ

کچھ عرصہ پہلے وفاقی شرعی عدالت نے بیس سودی قوانین کا قرآن سنت کی روشنی میں جائزہ لینے کے سلسلے میں ایک سوالنامہ جاری کیا تھا جس کے ذریعے ملک کے معروف علماء و ماہرین معیشت اور ماہرین قانون سے ربا (سود) کی تعریف، غیر سودی بنکاری کی عملی صورت، حکومت کی جانب سے جاری کردہ قرضوں پر سود کے مسئلہ، بینکوں سے غیر سودی قرضے حاصل کرنے کی متبادل تجاویز، نجی سرکاری بنکاری میں امتیاز کے مسئلہ، زر نقد کے استعمال پر معاوضہ لینے کے مسئلہ کرنسی کی قیمت میں کمی کے اثرات، ملکی اور غیر ملکی تجارت کو کامیابی سے چلانے کے سلسلے میں تجاویز، دو مسلم ریاستوں یا مسلم و غیر مسلم ریاست کے مابین سودی کاروبار، مسلمان اور کافر کے درمیان دارالحرب میں سودی کاروبار کا مسئلہ، بھٹے کے کاروبار کو سود کے بغیر چلانے کے امکان اور اس کی جائز صورتوں، پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگ اکاؤنٹ پر نفع، انعامی بانڈ، تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں، بچت پر بھارنے اور کفالت شکاری کے محرکات، اور بین الاقوامی سودی معاہدوں وغیرہ کے بارے میں ان کی ماہرانہ آراء اور متبادل تجاویز طلب کی تھیں۔ ملک کے نامور قہمہ اور شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا گوہر الرحمان صاحب صدر مدرس و مہتمم مدرسہ تنفیم القرآن مردان نے اس سوالنامے کا نہایت وقیع اور تحقیقی جواب دیا تھا اور قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں تمام سوالات کے شافی اور مدلل جوابات مرتب کر دیئے تھے۔

اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر اپنی ماہرانہ آراء دینے اور متبادل تجاویز پیش کرنے کے بعد حضرت مولانا گوہر الرحمان دامت برکاتہم نے واضح طور پر لکھا تھا کہ پاکستان کے قانون میں سودی معاہدوں کو باقی رکھنے اور آئندہ کے لئے بھی سودی معاہدے کرنے

کی منجائش رکھنا اسلام کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے اور اسلام نے قرض لے کر کام چلانے کی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ حوصلہ شکنی کی ہے۔ لہذا شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ خود انحصاری اور اپنے پاؤں چادر کے مطابق پھیلانے کی روش اختیار کی جائے۔ غیر ملکی سودی قرضوں نے صرف ہماری معیشت ہی کو غیر متوازن نہیں بنایا، بلکہ ہماری سیاست کو بھی ان قرضوں کے پھندوں میں پھنسا دیا ہے۔ لہذا وفاقی شرعی عدالت ان پھندوں کو توڑنے میں اپنا کردار اور کرے۔ اللہ کا شکر ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے نومبر 1991ء میں معرکہ آراء فیصلہ صادر کر دیا اور سودی قوانین کو خلاف اسلام قرار دے کر حکومت پاکستان کو ہدایت کی کہ وہ تیس جون ۹۲ تک تمام سودی معاملات سے سود کو ختم کر کے غیر سودی متبادل نظام کو جاری کرے۔ ایسا نہ کرنے کی صورت میں مذکورہ تاریخ کے بعد سودی لین دین سے متعلق تمام قوانین غیر موثر ہو جائیں گے۔ افسوس ہے کہ حکومت نے اس فیصلے پر عملدرآمد کرنے کے بجائے اس کے خلاف سپریم کورٹ کے شریعت اپلیٹ بیچ میں اپیل دائر کر دی جو ابھی تک معرض التواء میں پڑی ہے۔

حضرت مولانا گوہر الرحمن صاحب کے ان مدلل اور تحقیقی جوابات کو ادارہ معارف اسلامی نے جنوری ۱۹۹۳ء میں کتابی شکل میں شائع کر دیا تھا۔ اب اس کا دوسرا ایڈیشن دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

محمد اسلم سلیمی

ڈائریکٹر ادارہ معارف اسلامی

WWW.KITABOSUNNAT.COM

## ربا کی تعریف

(۱) قرآن و سنت کے مطابق ربا کی تعریف کیا ہے؟ کیا یہ دور جدید کے مالیاتی معاملات کے سود مفرد اور سود مرکب پر مشتمل ہے؟

جواب: قرض کی اصل رقم پر جو زائد رقم مدت و مہلت کے مقابلے میں بطور شرط و معاہدہ لی جائے وہ ربا ہے۔ اور یہ تعریف دور جدید کے سود مفرد اور سود مرکب پر یقیناً صادق آتی ہے۔ اصل راس المال پر ایک پیسے کا اضافہ لیا جائے یا کئی گنا اضافہ لیا جائے وہ ربا ہے، جبکہ اس اضافے کی شرط معاہدے کے وقت لگائی گئی ہو۔ اس جواب کی تفصیل اور اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

(الف) ربا کے لفظی اور لغوی معنی :

عربی زبان میں لفظ ربا کے لغوی معنی میں زیادت، اضافہ اور بڑھوتری۔ یہ لفظ قرآن کریم میں بھی زیادت اور بہا کے معنوں میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً "مِوِی الصَّدَقَاتِ" اور "بُرْحَانِہِ وہ صدقات کو" (البقرہ ۲۷۱، ۲۷۲)

"فَاِذَا اَنْزَلْنَا عَلَیْہَا الْمَاءَ اَحْمَرَتْ وَدَبَّتْ" (پس جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں

تو وہ اہمترتی ہے اور سچولتی ہے) (الحج آیت نمبر ۵)  
 ربوہ اونچی جگہ کے مینوں میں آیا ہے۔ (المؤمنون ۵۰۰)  
 رابیة سیلاب پر رونما ہونے والا جھاگ (الحاقہ ۱۰۰)  
 ائمہ لغت نے بھی ربا کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔ علامہ جوہریؒ (متوفی ۳۹۳ھ) اور  
 علامہ ابن منظور افریقیؒ (متوفی ۱۱۷۷ھ) دونوں نے لکھا ہے:  
 رَبَا الشَّيْءُ يَرْبُو رِبْوًا (رُبُوًا وَرِبَاً) اے زاو  
 (کوئی چیز بڑھ گئی، بڑھ رہی ہے، بڑھنے کے ساتھ یعنی زیادہ ہو گئی ہے)

## (ب) ربا کا شرعی مفہوم قرآن کی روشنی میں :

ظاہر ہے کہ ہر قسم کا اضافہ اور نفع تو حرام نہیں ہے۔ بیع مرابحہ میں بھی اصل قیمت  
 خرید پر نفع لیا جاتا ہے جو حلال ہے۔ اس لیے کہ یہ چیز کی قیمت میں اضافہ ہے۔ قرض  
 پر اضافہ نہیں ہے، تو ربا کا شرعی مفہوم معلوم کرنے کے لیے سب سے پہلے قرآن کریم سے  
 رہنمائی حاصل کرنی چاہیے، قرآن کریم میں مادہ پرستوں اور سود خوروں کا قول نقل ہوا ہے:

”إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا“ (البقرہ ۲۷۵)

(بیع بھی تو سود کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے)  
 مال کے بدلے مال کے معاہدے کو بیع کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ربا کو بیع  
 کے مقابلے میں ذکر کیا ہے تو اس تقابل سے معلوم ہوا کہ ربا کی صورت میں اس المال پر  
 جو اضافہ لیا جاتا ہے یہ بیع نہیں ہے، یعنی مال کے بدلے مال کا معاملہ نہیں ہے تو پھر یہ

لے الصحاح للبوہری طبع بیروت ۱۹۸۴ء ص ۳۳۲۹ جلد ۶

لسان العرب للافریقی طبع بیروت ص ۳۰۴ جلد ۴

زائد مال کس چیز کے بدلے میں لیا اور دیا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب ہم کو اگلی آیات میں بڑی صراحت اور آسانی کے ساتھ مل گیا ہے :

”وَذَرُوا مَا بَعِيَ مِنَ الدَّيْنِ إِن كُنْتُمْ مَوَدِّينَ ... وَإِن تَبَدَّلْتُمُوهُنَّ  
 آخَرًا بَدَلًا فَتَحْلَمْنَ فَلَا تَطْلُمْنَ - وَإِن كَانَتْ ذُو عُسْرٍ فَمُطْرَبَةً“  
 اِلَىٰ مَيْسَرَةٍ “ (البقرہ ۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰)

(اور چھوڑ دو جو کچھ بقایا ہے سود کا اگر تم مومن ہو..... اور اگر تم توبہ کر لو گے  
 تو تمہیں گے تم کو تمہارے اصل اموال نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے  
 گا۔ اور اگر وہ تنگ دست ہو (مقروض) تو اس کو مہلت دینی ہوگی آسودہ  
 حالی تک)

”اصل اموال“ - اگر وہ تنگ دست ہو“ اور ”اس کو مہلت دینی ہوگی“ یہ الفاظ بغیر  
 کسی ابہام کے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ ربا کا مال مہلت اور مدت کے بدلے  
 میں لیا جاتا ہے۔ ان آیات میں تدریج کرنے سے ربا کی شرعی تعریف یہ قرار پاتی ہے کہ قرض  
 کے اصل مال پر جو زائد رقم مدت کے بدلے میں لی جاتی ہے وہ ربا ہے۔ ”اللہ تعالیٰ نے  
 اس زائد رقم کو حرام قرار دیتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اس زائد رقم کو جو تم مہلت کے بدلے  
 میں لیتے ہو چھوڑ دو اور اصل مال وصول کرو۔ مقروض اگر نادار ہو تو بہتر یہ ہے کہ اصل  
 مال بھی معاف کر دو، لیکن اگر ایسا نہ کر سکو تو کشادہ دستی تک مہلت دینا تم پر لازم ہے  
 اور یہ مہلت ناواد مقروض کا حق ہے جو تمہیں دینا پڑے گا!

(ج) ربا کا مفہوم احادیث و آثار کی روشنی میں :

ربا کے یہی شرعی معنی جو قرآن کریم کی درج بالا آیات سے معلوم ہوتے ہیں۔ احادیث و  
 آثار سے بھی ثابت ہوتے ہیں جو قرآن کی تفسیر و تشریح کا مستند ذریعہ ہیں :

(۱) "عن عمارۃ الہمدانی سمعت علیاً یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل قرض جتر نفعاً فہو دبا۔"

(حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر وہ قرض جو نفع کھینچتا ہو تو اس کا یہ نفع سود ہے)۔

اصل میں یہ حدیث حارث بن محمد بن ابی اسامہ التیمی البغدادی (متوفی ۲۸۲ھ) کی کتاب مسند حارث میں سند کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔ مولانا حبیب الرحمن الاعظمی نے المطالب العالیہ کی تعلق میں لکھا ہے کہ یہ حدیث مسند حارث کے مخطوطہ کے صفحہ نمبر ۳۰۸ جلد ۱ پر موجود ہے۔ اس کی سند میں سوار بن مصعب نامی ایک راوی آیا ہے جو ضعیف اور غیر ثقہ راوی ہے۔

امام بخاریؒ نے اسے مشکوٰۃ الحدیث اکاف کی زبر کے ساتھ لکھا ہے۔  
نسائی، ابوداؤد، احمد بن حنبل، بیہقی بن سعید قطان اور وارظنی نے بھی اسے متروک اور غیر ثقہ لکھا ہے۔  
لیکن ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ امام الحرمین اور امام غزالیؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

۱۔ المطالب العالیہ از ابن حجر طبع بیروت ص ۳۱۱ جلد ۱۔ رقم الحدیث ۱۳۷۳ بحوالہ  
مسند حارث۔ کنز العمال از علی المتقی ص ۲۳۸ جلد ۶ حدیث نمبر ۱۵۵۱۶۔  
الجامع الصغیر از سیوطی ص ۹۳ جلد ۲۔ ۲۔ تاریخ کبیر از بخاری ص ۶۹ جلد ۳ نمبر ۲۳۵  
۳۔ کتاب القضاء از ابن جوزی طبع بیروت ۱۹۸۶ء ص ۳۱ جلد ۲، ۳  
میزان الاعتدال از ذہبی ص ۲۳۶ جلد ۲  
۴۔ التخصیص المحمیر از ابن حجر طبع سانگلہ بل پاکستان ص ۳۳ جلد ۳

بیوطی کی جامع منیر کے شارح عزیزی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے،  
یعنی شواہد کی درجہ سے قابل قبول ہے۔

محدثین کا تسلیم شدہ قاعدہ ہے کہ جس حدیث کے دوسرے اسانید کے ساتھ شواہد  
موجود ہوں، یعنی اس مفہوم کی دوسری روایات موجود ہوں اگرچہ صحابہ کے اقوال ہوں اور  
سلف و ائمہ مجتہدین کے ہاں اس حدیث کو تلقی بالقبول حاصل ہو، یعنی انہوں نے  
اس حدیث کو دلیل بنایا ہو، تو وہ سنداً ضعیف ہونے کے باوجود قابل استدلال ہوتی  
ہے۔ اب اس حدیث کے کچھ شواہد ملاحظہ کیجیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث سنداً  
اور روایتاً ضعیف ہونے کے باوجود معنی اور روایتاً قابل قبول ہے جبکہ اس کا مفہوم  
قرآن کریم سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرض کی اصل رقم پر اضافے کو چھوڑ  
دینے کا حکم دیا ہے۔

(۲) "عن فضالة بن عبید قال كل قرض جتر منفعة فهو وجه من وجوه الربا"  
(حضرت فضالہؓ (صحابی فرماتے ہیں کہ جو قرض نفع کھینچتا ہے وہ سود کی ایک قسم ہے)

(۲-۳-۵-۶-۷)

امام بیہقی نے "کل قرض جتر منفعة" کے عنوان سے مستقل باب قائم کیا ہے جس کے  
تحت حضرت عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن سلامؓ  
سے روایات نقل کی ہیں (موقوف روایات) جن کا مفہوم یہ ہے کہ قرض پر نفع لینا سود  
ہے۔ (ص ۳۴۹-۳۵۰ - جلد ۵)

(۸) إن رجلاً أتى عبد الله بن عمر فقال يا أبا عبد الرحمن اني أسلفت

سلف اعلیٰ السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی ص ۳۹۹ جلد ۱۴ بحوالہ عزیزی ص ۳۷ جلد ۳

سلف سنن کبریٰ للبیہقی ص ۳۵ جلد ۵ و نصب الراية ص ۷۷ جلد ۴



رجلاً سلفاً واشترطت عليه افضل مما أسلفته فقال عبد الله بن  
عمرؓ فذالك الوبا<sup>لہ</sup>

(ایک شخص ابن عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ایک شخص کو قرض دیا ہے  
مگر یہ شرط لگائی ہے کہ مجھے اس سے زائد دو گے جو میں نے تمہیں دیا ہے۔  
ابن عمرؓ نے فرمایا یہی تو ربا ہے۔)

(۹) "عن زید بن اسلم قال کان الربی فی الجاہلیۃ ان یکون للرجل علی  
الرجل الحق الی اجل فاذا حلّ الاجل قال انقضی أم تعذبی فان قضی  
أخذوا الا زادوا فی حقہ واخترعنه فی الاجل" تلہ

(زید بن اسلمؓ تابعی فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں ربا کی شکل یہ ہوتی تھی کہ ایک  
شخص کا دوسرے پر کوئی حق واجب الادا ہوتا جس کی میعاد مقرر ہوتی تھی۔  
جب ادائیگی کی میعاد آجاتی تو دائن اپنے مدیوں کو کہتا حق دیتے ہو یا سود  
دیتے ہو؟ اگر وہ اصل دے دیتا تو لے لیا جاتا اور اگر وہ ادا نہ کر سکتا تو قرض  
کی مقدار میں اضافہ کر دیا جاتا اور اس کے بدلے میں مدت بڑھا دی جاتی،  
(۱۰) قال مجاہد ومثله قال قتادہ "کانوا فی الجاہلیۃ یکدون للرجل علی  
الرجل الدین فیقول لك كذا وكذا وتؤخر عني فتؤخر عنه" تلہ

(حضرت مجاہدؓ اور قتادہؓ فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ  
ایک شخص کا دوسرے پر قرض ہوتا تو مدیوں دائن کو کہتا کہ میں تم کو اتنی  
مقدار زائد دوں گا مگر تم مہلت بڑھا دو، چنانچہ وہ اس زائد رقم کے بدلے

تلہ مؤطا امام مالکؓ طبع قاہرہ باب الربانی الدین ص ۶۷۲ جلد ۲، تلہ مؤطا مالک ص ۶۷۲ جلد ۲

باب الربا تلہ تفسیر ابن جریر ص ۶۷ جلد ۳ طبع بیروت ۱۹۷۸ء

میں مدت بڑھا دیتا۔)

## (د) ربان کی تعریف اجماع اُمت کی روشنی میں :

قرآن کریم اور احادیث و آثار کی روشنی میں ربان کی مذکورہ تعریف پر اُمتِ مسلمہ کا اجماع ہے اور اجماع بھی حجت شرعیہ ہے۔

ابن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ) لکھتے ہیں :

”وقد اجمع المسلمون نقلًا عن نبیہم ان اشتراط الزیادۃ فی السلف

ربا ولو کان قبضۃً من علف اوجبة۔“ لہ

(مسلمانوں نے اپنے نبی سے نقل کی بنا پر اجماع کر لیا ہے کہ قرص کے اصل

مال پر اضافے اور زیادتی کی شرط لگانا سود ہے، اگرچہ یہ اضافہ ایک مٹھی گھاس

(جانوروں کے لیے چارہ) ہو یا ایک حبتہ (دانہ) ہو)

ابن رشد نے بھی اس تعریف کو اجماعی کہا ہے۔

## (ه) ربان کی تعریف مفسرین اور فقہاء کی نظر میں :

قرآن و حدیث اور اجماع اُمت سے ثابت شدہ ربان کی مذکورہ تعریف مفسرین اور فقہاء نے بھی نقل کی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمائیے :

(۱) امام المفسرین محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) اپنی تفسیر جامع البیان عن تنادیل آی

القرآن میں لکھتے ہیں جو اُمت التفسیر کہلاتی ہے،

”وحرّم الزیادۃ الّتی یُزاد ربّ المال بسبب نیادۃ عرّیمہ فی الاجل

لہ التہمد لابن عبدالبر طبع لاہور ۱۹۸۳ء ص ۶۷ جلد ۲

لہ برایتہ المجمعہ ص ۱۲۷ جلد ۲

وَتَا حَمِيرًا دِينَتَهُ عَلَيْهِ ۝ ۱۰

(ہرام کردہ سود سے مراد وہ اضافہ ہے جو مال کے مالک (دائن) کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اس نے اپنے مقروض کے لیے مدت بڑھا دی ہے اور اپنے مقروض کی وصولی مؤخر کر دی ہے۔)

(۲) امام طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) لکھتے ہیں کہ ربا کی شکل یہ ہوتی تھی کہ مدیون دائن کو کہتا: "أجلني منه ألى كذا وكذا بكذا وكذا ادريها أزيد كعافى ديتك" (مجھے قرض کی ادائیگی میں اتنی ٹہلت اور دے دو تو میں اتنے روپے تمہارے قرض میں بڑھا دوں گا)

(۳) امام جصاص (متوفی ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

"وهو القرض المشروط فيه الاجل وزيادته على المستقرض ۝"

(ربا قرض کا وہ معاملہ ہے جس میں ميعاد مقرر کی گئی ہو اور قرض لینے والے پر قرض کی اصل رقم سے کچھ زیادہ دینے کی شرط لگائی گئی ہو)

(۴) امام بغوی (متوفی ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

"إنَّ أهل الجاهلية كان أحدهم إذا حتل ماله على غيره فطالبه فيقول  
الغريم لصاحب الحق زدني في الاجل حتى أزيدك في المال فيفعلان  
ذالك" ۝

(جاہلیت کے زمانے میں جب کسی کے مال کی ادائیگی کی ميعاد آجاتی اور وہ اپنے

سے تفسیر ابن جریر ص ۱۰۳ جلد ۲ و تحفہ فی ص ۹ جلد ۲ طبع بیروت ۱۹۸۸ء

سے شرح معانی الآثار للطحاوی باب الربا ص ۲۳۳ جلد ۲

سے احکام القرآن ص ۴۲۹ جلد ۱

سے معالم التنزیل للبغوی طبع ریاض ۱۴۰۹ھ ص ۳۴۱ جلد ۱

قرض کا مطالبہ کرتا تو اس کا مقروض کتنا مدت بڑھا دو تو میں تمہارے قرض میں  
اضافہ کر دوں گا، چنانچہ دونوں ایسا معاملہ کر لیتے

(۵) قاضی ابوبکر ابن عربی (متوفی ۷۵۴ھ) فرماتے ہیں :

”وكان الربا معروفاً عندهم يبيع الرجل الرجل الى اجل فاذا  
حل الاجل قال اتقضى ام تربي... فحرم الله الربا... ان من زعم  
ان هذه الآية مجملة فلم يفهمها مطلق الشريعة“<sup>۱</sup>

رباعیوں کے ہاں ایک معروف چیز تھی۔ ایک شخص دوسرے کے ساتھ مدت  
مقررہ تک قرض کا کوئی معاملہ کرتا۔ جب میعاد آجاتی تو قرض خواہ قرض دار  
سے کہتا۔ میرا قرض دیتے ہو یا سود دیتے ہو؟ تو اللہ نے سود کو  
حرام کر دیا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ربا سے متعلق یہ آیت مجمل ہے  
تو انہوں نے شریعت کے قطعی اور طے شدہ احکام کو نہیں سمجھا۔

(۶) امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) کا ارشاد ہے :

”واما ربا النسئة فهو الاموال الذی کان مشهوراً متعارفاً بینہم فی  
الجاهلیة وذلک انہم کانوا یروضون المال علی ان یاخذوا کل  
شہراً قدراً متعیناً ویکون راس المال باقیاً ثم اذا حل الدین  
طالب المدیون براس المال فان تعذر علیہ الا داء زادوا فی  
الاجل والحق فہذہ الاموال الذی کانوا فی الجاہلیة یتعاملون بہ“<sup>۲</sup>

۱۔ احکام القرآن ص ۳۲۰، ۳۲۱ جلد ۱ طبع بیروت ۱۹۸۸ء

۲۔ تفسیر کبیر از امام رازی طبع مصر ۱۹۳۸ء ص ۹ جلد ۷

ادھار کا سود جاہلیت کے زمانے میں معروف و مشہور تھا۔ اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ لوگ اپنا ادھار مال اس شرط پر لوگوں کو دیتے کہ اتنی مقدار ماہانہ سود دینا ہوگا اور اصل رقم بدستور باقی رہے گی۔ جب ادائیگی کی میعاد پوری ہو جاتی تو قرض دار سے ادائیگی کا مطالبہ کرتے۔ اگر وہ ادائیگی سے معذور ہوتا تو میعاد بڑھا دی جاتی اور اس میعاد کے بدلے میں سود بھی بڑھا دیا جاتا۔ یہی وہ ربا تھا جس پر جاہلیت کے زمانے میں معاملات ہوتے تھے۔)

اس بحث سے ربا کی وہی تعریف سامنے آجاتی ہے جس کا ذکر ابتدا میں ہو چکا ہے یعنی یہ کہ قرض کی اصل رقم پر جو زائد رقم بطور شرط و معاہدہ لی جلتے وہ ربا ہے۔

### ربا کی اس تعریف میں سود مرکب بھی شامل ہے :

ربا کی یہ تعریف سود مفرد اور سود مرکب دونوں پر صادق آتی ہے اور دونوں حرام ہیں۔ حرام الٰہی میں لفظ ربا عام ہے جس میں تخصیص اور استثنا کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ عدم تخصیص کی دلیل موجود ہے اور وہ ہے، فان تبئعہ فقلک ردس امواکک۔ اس آیت میں صرف راس المال ہی کو لینے کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ اس پر امانے کو جائز تسلیم نہیں کیا گیا خواہ وہ اضافہ تھوڑا ہو یا کئی گنا زیادہ ہو۔ اسی طرح کل قرض جتنے نفعاً فہو ربا اور اس مفہوم کی دوسری روایات میں ہر قسم کے نفع کو جو قرض کی اصل رقم پر لیا جاتے اُسے سود قرار دیا گیا ہے خواہ مفرد ہو یا مرکب ہو۔ باقی رہی سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۳ جس میں آیا ہے کہ: "اے ایمان والو! امت کھاؤ سود کئی کئی گنا بڑھا کر" تو یہ قید حرمت کی شکل نہیں ہے بلکہ امر واقعہ کا اظہار ہے کہ عربوں میں یہ جرم عظیم رائج تھا کہ مقرض پر عائد کردہ سود بعض اوقات اضعا فمضاعفۃ تک پہنچ جاتا۔ اس کے علاوہ سورۃ آل عمران

کی یہ آیت سورۃ البقرہ کی آیات سے پہلے نازل ہوئی تھی اور سورۃ بقرہ کی آیات آخر میں نازل ہوئی تھیں جن میں مطلق ربا کو حرام کیا گیا ہے، تصویراً اور زیادہ حاصل میں ربا کی حرمت کے احکام شراب کے احکام کی طرح تدریجاً نازل ہوئے تھے۔ پہلی آیت جس میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ سود میں برکت نہیں ہے اور یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے مگر میں نازل ہوئی تھی جو یہ ہے :

”وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ رَبِّاَ لِيَرْبُؤُوا فِيْ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ  
وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ زَكَوٰتٍ فَيُؤْتُوْنَ وَّجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْمِرُوْنَ“

(الروم ۳۹)

اور جو کچھ دیتے ہو تم ربا میں سے تاکہ وہ لوگوں کے اموال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے پس وہ نہیں بڑھ سکتا اللہ کے دربار میں اور جو کچھ دیتے ہو تم صدقے میں سے جس سے اللہ کی خوشنودی چاہتے ہو تو ایسے ہی لوگ بڑھانے والے ہیں اپنے اموال کو)

ربا کا لفظ اس آیت میں اپنے وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے جس میں اصطلاحی سود بھی شامل ہے اور وہ تحفہ بھی اس میں شامل ہے جو برداری اور دوستوں کی تقریباً میں دیا جاتا ہے تاکہ اس کے بدلے میں زیادہ مل جائے جسے عرف عام میں نیوتہ کہا جاتا ہے۔ عام مفسرین نے تو اس جگہ ربا سے یہی نیوتہ مراد لیا ہے، لیکن حسن بھری اور سیدی نے متعارف سود ہی مراد لیا ہے۔ روح المعانی اور تفسیر نیشاپوری میں بھی اسی کو ترجیح دی گئی ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ دونوں مراد ہیں۔ اس آیت میں سود کو برائی تو بیان کی گئی ہے، لیکن قطعی طور پر اسے حرام نہیں کیا گیا۔ صرف نفرت دلائی گئی ہے، تاکہ لوگ ذہنی طور پر اسے چھوڑنے پر تیار ہو جائیں۔

دوسری آیت سورۃ النساء کی ہے جو مدنی سورۃ ہے۔ اس میں یہ کہا گیا ہے کہ

یہودیوں پر عذاب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ سود کھاتے تھے۔ اس سے مسلمانوں کے ذہنوں میں سود کی مزید نفرت پیدا کی گئی تاکہ وہ ذہنی طور پر اسے چھوڑنے پر تیار ہو جائیں،

”وَأَخَذَهُمُ الرَّبُّ وَأَقْدَمَهُمْ وَأَطْهَمَهُمْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِأَنْبَاطِ طِيلٍ  
وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا“ (النساء ۴-۱۶۱)

(یہ نرزا اس وجہ سے بھی دی گئی تھی کہ یہ لوگ (یہود) سود لیتے تھے حالانکہ انہیں تو اس سے منع کر دیا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ یہ لوگ دوسرے لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے)

تیسری آیت سورۃ آل عمران کی ہے اور یہ بھی مدنی سورت ہے۔ اس میں سود مرکب کی ممانعت کی گئی ہے کہ یہ ظلم عظیم تو نہ کرو کہ کئی کئی گنا بڑھا کر سود کھاتے ہو۔ گندگی کی تھوڑی مقدار بھی غلاظت ہے اور بیچ ہے، مگر جب اس غلاظت کو بڑی مقدار میں کھایا جائے تو یہ خباثت کی انتہا ہے۔ غریب کے خون کا ایک قطرہ چرنا بھی ظلم ہے، لیکن جب اس کے خون کی بڑی مقدار چوسنے کی عادت پڑ جائے تو یہ ظلم کی انتہا ہے۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ  
تَفْلِحُونَ“ (آل عمران ۳-۱۳۰)

(اے وہ لوگو جو ایمان لاتے ہو، مت کھاؤ سود کو کئی گنا بڑھا کر اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کو نجات ہو جائے)

چوتھے اور آخری مرحلے پر سورۃ بقرہ کی سات آیات نازل ہوئی تھیں جن کے درمیان ایک آیت زکوٰۃ کے بارے میں ہے اور آخری آیت میں خوفِ خدا اور فکر

آخرت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ان سات آیات کو نقل کر دیا جائے جو یہ ہیں :

”الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَخْتَبِطُهُ الشَّيْطَانُ  
 مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّا الْبَائِعُونَ مِثْلَ الرِّبَا وَالرَّحُلُ  
 اللَّهُ الْبَائِعُ وَعَرَمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَاتَّهَىٰ فَلَهُ  
 مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ  
 فِيهَا خَالِدُونَ - يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيلُ الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ  
 كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ - إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ  
 وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ  
 فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا عَنَّا إِنَّ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتِغُوا فَلَئِمَّ  
 رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ - وَإِن كَانَ ذُو عُسْرٍ فَيُخَفِّضْهُ  
 إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ وَإِن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ - وَأَقْعُوا أَيُّمًا  
 تَرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تَقِفُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ“  
 (البقرہ - آیات ۲۷۵ تا ۲۸۱)

جو لوگ کھاتے ہیں سو وہ کھڑے نہیں ہو سکیں گے، مگر جس طرح کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے خطی بنا دیا ہو شیطان نے دیوانہ بنا کر۔ اس لیے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو سود کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ پس جس کو بھی یہ نصیحت پہنچ گئی اس کے رب کی جانب سے اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے لے چکا ہے وہ اسی کا ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جو کوئی دوبارہ



پلٹ جاتے تو ایسے لوگ دوزخ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ سو سے برکت مٹا دیتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ پسند نہیں کرتا ہرناشکرے گنہگار کو بے شک جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک کام کیے ہیں اور نماز قائم کی ہے اور زکوٰۃ دی ہے تو ان کے لیے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس۔ نزال پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ ٹھگین ہوں گے۔ اسے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو کچھ بھی باقی ہو سو وہ میں سے، اگر تم مؤمن ہو۔ پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تیار رہو جو آج جنگ کے لیے اللہ اور اُس کے رسول کی جانب سے اور اگر تم نے توبہ کر لی ہو تو میں گے تم کو تمہارے اصل مال۔ نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ اور اگر وہ تنگ دست ہو تو اس کے لیے مُہلت ہے اسودہ حالی تک اور اگر معاف کر دو تو یہ زیادہ بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔ اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا ہر شخص کو اس کے اس عمل کا جو اُس نے کیا ہو اور اُن پر ظلم نہ ہوگا۔)

ان آیات میں وہ آخری اور حتمی حکم بیان ہوا ہے کہ جس میں مفرد اور مرکب سو کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ سو کا بقایا اگر ایک جذبہ بھی ہو تو اُسے بھی لینا جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ قطعی اور حتمی حکم وہی ہوتا ہے جو آخری ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں:

”آخر آية نزلت على النبي آية الربا“

(آخری آیت جو نبی پر نازل ہوئی تھی وہ ربا کی حرمت کی آیت ہے) اس روایت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ شوریٰ بقدرہ کی آیات دربارہ حرمت ربا اس بارے میں آخری آیات ہیں جو اس موضوع پر باقی تمام روایات پر حاوی ہیں اور ان میں ہر نوع کے سود کو حرام کر دیا گیا ہے۔ جو لوگ اضناًفاً مضعقۃ کی قید کو سود مفرد کے جواز کی دلیل بناتے ہیں ان کی مثال اس بے وقوف شخص کی طرح ہوگی جو لا تقربوا الصلوة وافتدسکادیٰ کو اس بات کی دلیل بناتا ہو کہ شراب پینا صرف نماز کے اوقات میں حرام ہے، دوسرے اوقات میں حرام نہیں ہے۔ اس لیے کہ شراب پینے اور نشہ آور چیز کے استعمال کو صرف نماز کے اوقات میں منع کیا گیا ہے، تو ایسا شخص یا تو دانستہ تو لوں کو گمراہ کرتا ہو گا یا پھر اسے اس بات کا علم نہیں ہو گا کہ شراب کی حرمت کا حکم تدریجاً نازل ہوا تھا۔ ایک مرحلے میں صرف نماز کے اوقات میں نشہ حرام تھا، مگر آخری اور حتمی حکم تو یہ آیا تھا کہ شراب گندی چیز ہے اس سے دور رہو۔ اسی طرح سود کے احکام بھی تدریجاً نازل ہوئے تھے، مگر آخری اور حتمی حکم ہر قسم کے سود کی حرمت کا تھا جو اب قیامت تک باقی ہے، جسے کوئی شخص مسلمان ہوتے ہوئے نہ ختم کر سکتا ہے اور نہ اس میں ترمیم و تخفیف کر سکتا ہے۔

### ربا حکنی یا ربا خفی یا ربا الفضل

ربا کی جو تعریف سطور مذکورہ میں کی گئی ہے یہ اس ربا کی تعریف ہے جس کی حرمت قرآن کریم کی مذکورہ آیت سے ثابت ہے۔ اس کی حرمت بھی قطعی ہے اور اس کی تعریف بھی متفق علیہ ہے اور اس میں کسی قسم کا ابہام و اجمال بھی نہیں ہے اور یہی وہ ربا ہے جو عربوں میں معروف و مشہور تھا جس کو وہ بیع کی طرح حلال سمجھتے تھے۔ اس کو ربا القرآن بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کی حرمت قرآن سے ثابت ہے۔

اسے ربا جلی اور ربا حقیقی بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ یہ کھلا اور حقیقی معنوں میں سود ہے، صرف سود کا ذریعہ نہیں ہے اور اس کا مشور نام ربا النسیہ ہے، اس لیے کہ یہ سود ادھار پر لیا جاتا ہے۔

لیکن ربا کی ایک اور قسم بھی ہے جسے ربا حکمی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ اس پر ربا کا حکم نافذ ہوتا ہے اور یہ حقیقی اور جلی ربا کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اسے ربا خفی بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ یہ کھلا سود نہیں ہے، بلکہ کھلے سود کا ذریعہ اور چورہ روزہ ہے اور اسے ربا الفضل بھی کہا جاتا ہے، اس لیے کہ اس میں دست بدست بیع میں بھی ایک جانب سے زیادت اور اضافہ ممنوع ہے۔ ربا کی یہ قسم قرآن سے ثابت نہیں ہے بلکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ حرمت سداذریعہ کے طور پر ہے۔ ربا الفضل کی حرمت کے بارے میں احادیث کی تعداد تو زیادہ ہے مگر ایک حدیث بطور نمونہ عرض خدمت ہے: "عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
النَّهْبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ بِالْفِضَّةِ وَالتمرُّ بالتمرِّ وَالْبَعْرُ بِالْبَعْرِ وَالشَّعِيرُ  
بِالشَّعِيرِ وَالْمَلْحُ بِالْمَلْحِ مَثَلًا مِثْلُ يَدَا بَيْعٍ فَمَنْ زَادَ أَوْ اسْتَزَادَ فَقَدْ  
أَرَبَى الْأَخْذَ وَالْمَعْطَى فِيهِ سَوَاءٌ" ط

اسونا سونے کے بدلے میں، چاندی چاندی کے بدلے میں، کھجور کھجور کے بدلے میں، گندم گندم کے بدلے میں، جو جو کے بدلے میں اور نمک نمک کے بدلے میں بیچے جاسکتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ برابر برابر ہوں اور دست بدست ہوں۔ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا تو سود کا لین دین کیا۔  
لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔)

شہ صحیح مسلم کتاب المساقات باب العرف

ان چھ چیزوں میں ادھار لین دین تو اس حدیث کی بنا پر جائز ہی نہیں ہے اور اگر معاملہ دست بدست کا ہو تو پھر ایک ہی جنس کے تبادلے میں ایک طرف سے اضافہ ممنوع ہے۔ البتہ اگر جنس مختلف ہو مثلاً گندم کا تبادلہ جوڑے یا سونے کا تبادلہ چاندی سے ہلکا پھر اضافہ جائز ہے؛ مگر ادھار پھر بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”فَاِذَا اخْتَلَفَتِ الْاَصْنَافُ فَبِيْعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ اِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ“

(جب چیزوں کی اصناف مختلف ہوں تو جس طرح چاہو بیجو، بشرطیکہ معاملہ دست بدست ہو)

ربا الفضل کے حرام ہونے کی علت و حکمت حقیقی ربا کا راستہ بند کرنا ہے اور سودی ذہنیت کا انسداد ہے، تاکہ اسے حقیقی سود یعنی ربا النسیئہ کا ذریعہ نہ بنا سکیں۔ یہی حکمت حضرت عمرؓ نے بیان فرمائی ہے کہ:

”سونا سونے کے بدلے میں فروخت نہ کرو، مگر برابر برابر اور ایک کا دوسرے پر اضافہ نہ کرو۔ چاندی چاندی کے بدلے میں نہ بیجو، مگر برابر برابر۔ ایک کا دوسرے پر اضافہ نہ کرو۔ اور چاندی سونے کے بدلے میں ادھار نہ بیجو کہ ایک طرف سے ادھار ہو اور دوسری طرف سے نقد ہو۔ اگر تم سے گھر تک مُہلت مانگی جائے تو اتنی مُہلت بھی نہ دو، اس لیے کہ:

”اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ التَّرَمَّاءَ وَ التَّرَمَّاءُ الْبَرَبَا“ (مجھے خطر ہے کہ اس طرح تم کہیں حقیقی سود میں مبتلا نہ ہو جاؤ)“

لع مسلم باب الصرف

لع موطا امام مالکؒ فی البیوع باب الذھب بالذھب ص ۶۲۳ جلد ۲

ابن قیم فرماتے ہیں :

” الربا نوعان نوع حُجُوم لمانیہ من المفسدۃ وهوربا النیثۃ

ونوع حُرْم تحریمہ العسائل وسدّاً للذرائع“

اربا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ربا النسیئہ جو ذاتی خرابی کی وجہ سے حرام کیا گیا

ہے اور دوسری قسم وہ ہے جو اس لیے حرام کی گئی ہے کہ یہ ربا النسیئہ کا

ذریعہ بن سکتی ہے )



---

سطح اعلام المرقعین بیروت ص ۱۶۷ و ۲۲۴ جلد ۴ و الموافقات نشاطی ص ۲۰۴ جلد ۴

## غیر سودی بنکاری کی عملی صورت

سوال: غیر سودی بینک کے قیام کی صورت میں بینکوں کے معاملات کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے کی عملی صورت کیا ہوگی؟

جواب:۔

(الف) پہلا قدم تو یہ اٹھانا ہوگا کہ ملک کی تمام معاشی سرگرمیوں سے سود کو قانوناً ختم کر دیا جائے۔ سود کے دروازے چوپٹ کھلے رکھ کر غیر سودی بنکاری کی عملی صورتیں تلاش کرنا نہ عقل و خرد کا تقاضا ہے اور نہ شریعت کا تقاضا ہے۔ جب تک سود خوروں کو ملکی قانون اور عدالتوں کی مدد حاصل ہے اس وقت تک غیر سودی نظام مالیات وجود میں نہیں آسکتا۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ فاضل عدالت محکم صادر فرمادے کہ سود اسلام میں حرام ہے اور تمام وہ قوانین (ناموں کے تعین کے ساتھ) اور قواعد و ضوابط اسلامی احکام کے خلاف ہیں جن کی بنا پر ملک میں سودی لین دین ہوتا ہے۔ حکومت کو ایک متعین مدت دے دی جائے کہ اس کے بعد یہ سارے قوانین کا عدم ہوجا میں گئے اور عدالتیں تمام مالی امور کے فیصلے شریعی احکام کے مطابق دینے کی قانوناً بھی مجاز ہوں گی۔ یہ مدت زیادہ طویل نہیں ہونی چاہیے، اس لیے کہ حکومت کو پہلے ہی ۲۴ سال کی مدت مل

چمکی ہے اور عملی خاک کے تیار ہو چکے ہیں۔

(ب) غیر سودی بینکاری کے اجراء اور بنکوں کے نظام کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے کا مثالی اور بہترین طریقہ تشریحات اور مضاربت کا نظام ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے اس سلسلے میں بڑا مفید کام کیا ہے۔ اُس نے سودی نظام کے خاتمے کے لیے اپنی حتمی رپورٹ جون ۱۹۸۰ء میں صدر مصلحت کی خدمت میں پیش بھی کر دی تھی، مگر افسوس ہے کہ اس پر عمل نہیں کیا گیا۔ پی۔ ایل۔ ایس کا جو سسٹم بنکوں میں چل رہا ہے اس میں بھی سود شامل ہے اور یہ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کے مطابق نہیں ہے۔ شرکت و مضاربت کے تفصیلی احکام جو ہر دور میں قابل عمل ہیں حدیث و فقہ کی کتابوں میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو اس موضوع پر بھی اپنی معروضات اور خدمات پیش کر سکتا ہوں۔ انشاء اللہ اگر اس سلسلے میں پہلے مسلم ماہرین معاشیات کافی کام کر چکے ہیں۔

(ج) عقد بیع میں ادھار کی دہر سے قیمتوں میں اضافہ رائج نہیں ہے اور جاتز ہے، بشرطیکہ قیمت کا تعین معاہدہ بیع کے وقت وضاحت کے ساتھ کر دیا گیا ہو اور میعاد میں اضافے کے ساتھ قیمت میں مزید اضافہ نہ کیا جائے، یعنی مارک اپ پر مارک اپ کا سسٹم نہ ہو۔ اگر مشتری میعاد پر قیمت ادا نہ کر سکے تو پھر بھی قیمت وہی ہو جو عقد بیع کے وقت طے کی گئی تھی۔ نقد کے مقابلے میں ادھار قیمت میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ قرض میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ قیمت میں اضافہ ہوتا ہے جو رائج نہیں ہے بلکہ ممنوع ہے اور جاتز ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے بیع مؤجل کا جو جاتز طریقہ تجویز کیا تھا، حکومت نے اس پر عمل نہیں کیا اور غیر سودی کاروبار کے نام سے سود ہی کی لعنت کو برقرار رکھا ہے۔ (اس موضوع پر میری

ایک تحریر پہلے سے تیار تھی اس کی فوٹو کاپی ارسال خدمت ہے) (د) ایک معتد بہ تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو اپنی رقوم حفاظت کے لیے بطور امانت بنکوں میں رکھتے ہیں۔ ان رقوم کو بنک امانت کی بجائے قرض کے طور پر اپنے پاس رکھے اور مقررہ میعاد پر یا عند الطلب واپس کرنے کی ضمانت دے تو ایسی صورت میں بنک کو حق حاصل ہوگا کہ ان رقوم کو تجارت میں لگائے اور نفع کمائے اور اگر نقصان ہو جائے تو اسے اپنے دوسرے ذرائع سے پورا کرے، چونکہ یہ رقم لوگوں کے قرضے ہوں گے اور قرضوں پر نفع لینا جائز نہیں ہے، اس لیے نفع میں کھاتا داروں کا کوئی حصہ نہیں ہوگا اور ان کا مقصد بھی نفع کمانا نہیں ہوتا، بلکہ اپنی بچتوں کی حفاظت ان کا اصل مقصد ہوتا ہے۔ مشہور صحابی زبیر بن عوام جو بدری ہیں اور عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں ان کی وفات کے وقت ۲۲ لاکھ درہم کا قرضہ ان کے ذمے واجب الادا تھا۔ اس قرض کی وجہ بیان کرتے ہوئے ان کے صاحبزادے عبداللہ بن زبیر رضی فرماتے ہیں :

" اِنَّمَا كَانَ دَيْنُهُ الَّذِي عَلَيْهِ آتَى الرَّجُلُ يَأْتِي بِالْمَالِ فَيَسْتَوِدِعُهُ آيَاءَ  
فَيَقُولُ الزَّبِيرِيُّ لَا وَكَلْتَهُ سَلَفٌ فَاتَى أَخِي عَلَيْهِ الْقَيْعَةَ " <sup>۱</sup>

ان پر جو قرض تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک شخص اپنا مال لے کر آتا اور کہتا کہ اسے اپنے پاس امانت رکھ لو، مگر حضرت زبیر رضی فرماتے نہیں یہ قرض ہوگا، کیونکہ مجھے اس کے ضائع ہو جانے کا خوف ہے) ابن حجر عسقلانی نے اس کی دو وجوہات بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ قرض بنا کر اس

۱۔ بخاری ابواب الخمس باب برکتہ الغازی فی مالہ نمبر ۲۹۶۱



مال کا تحفظ کیا جائے اور مالک کو اطمینان حاصل ہو جائے اس لیے کہ قرض بہ صورت واجب الادا ہوتا ہے اور امانت کے ضائع ہو جانے پر اس کا عوض واجب نہیں ہوتا بشرطیکہ حفاظت میں غفلت نہ برتی گئی ہو۔ اور دوسری وجہ ابنِ بطلال کے حوالے سے یہ بیان فرمائی ہے کہ اس مال سے تجارت کرنا اور نفع کمانا حضرت زبیرؓ کے لیے جائز ہو جائے۔

قرض کھاتے میں بڑی مقدار میں رقوم بنکوں کو مل سکتی ہیں۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

”جدید بنکوں کا تجربہ بتاتا ہے کہ عند الطلب کھاتوں میں (جن پر سود نہیں دیا جاتا) جمع کی جانے والی رقوم بحیثیت مجموعی ان طویل المدت رقوم سے زیادہ ہوتی ہیں جو بچت کھاتے میں جمع ہوتی ہیں“۔

اسی صنف کے حاشیے میں لکھتے ہیں:

”۱۹۵۸ء میں برطانیہ کے تجارتی بنکوں کے مجموعی کھاتوں کا ۶۰ فیصد حصہ عند الطلب کھاتوں پر مشتمل تھا اور ۴۰ فیصد طویل المیعاد کھاتوں پر۔ امریکہ میں بھی دونوں کھاتوں کے درمیان یہی تناسب ہے۔“

قرض کھاتے سے حاصل شدہ تجارتی نفع کا ایک حصہ ریزرو رکھا جاسکتا ہے جس سے عند الطلب قرضوں کی ادائیگی بھی ہو سکے گی اور ان کھاتوں پر بنک کے آنے والے اخراجات بھی پورے ہو سکتے ہیں، بلکہ اس نظام سے عوام اور حکومت کو غیر سودی قرضے بھی دیے جاسکیں گے۔

لے فق الباری طبع مصر ۱۹۵۹ء ص ۳۸ جلد ۷ ابواب الخمس

۲۵ غیر سودی بنکاری ص ۵۹، ۶۰ بحوالہ ریڈ کلف کمیٹی کی رپورٹ ۱۹۵۹ء

(دھ) غیر سودی بنک اسی طرح جائز خدمات پر معاوضہ وصول کر سکیں گے جس طرح آج بھی بالمعاوضہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس مسئلے سے بھی بنک کو کافی آمدنی ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب سود کے راستے کئی طور پر بند کر دیے جائیں گے تو غیر سودی راستے خود بخود سامنے آتے رہیں گے، مگر شرط یہ ہے کہ عزم بھی ہو اور اخلاص بھی ہو۔

## حکومت کی جانب سے جاری کردہ قرضوں پر سود کا مسئلہ

(الف) کیا قومی ضروریات کی تکمیل کے لیے حکومت کی جانب سے جاری کردہ قرضوں پر نفع ربا کے ضمن میں آتا ہے؟

جواب: یقیناً ربا کے ضمن میں آتا ہے۔ ”وحرّم الربا، وذر دأماً بقی من الربا“ اور کل قرض حَبْرٌ مَنْفَعَةٌ فَهُوَ دَبٌّ“ یہ شرعی نصوص عام ہیں۔ ان میں کسی استثنا کی دلیل موجود نہیں ہے، بلکہ حکومت کا سودی لین دین افراد کے سودی لین دین کے مقابلے میں زیادہ قباحت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ حکومت کا فرض منصبی یہ ہے کہ سود سے معیشت کو پاک کرے اور جب یہ خود اس میں ملوث ہو تو عوام کو کس طرح اس لعنت سے روک سکے گی! اس کے علاوہ یہ قانونی نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ حکومت دراصل عوام کی دکیل کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ جو کچھ بھی کرتی ہے عوام کی نمائندہ ہونے کی حیثیت سے انہی کے دیے ہوئے اختیارات استعمال کرتی ہے تو جس چیز کی اجازت خود عوام کو حاصل نہ ہو اس کی اجازت حکومت کو کیسے دی جاسکتی ہے؟ جس کام کا حق مؤکل کو حاصل نہ ہو اس کا حق دکیل کو بھی حاصل نہیں ہوتا۔ باقی رہیں قومی ضروریات تو ان میں سے کچھ تو قومی معاملے سے پوری کی جائیں گی، کچھ زکوٰۃ و عشر سے پوری کی جائیں گی، کچھ بنکوں سے

غیر سودی قرض لے کر پوری کی جاسکتی ہیں اس لیے کہ بنک بھی قرض کھانوں کی رقوم تجارت میں لگا کر نفع کماتے ہیں لیکن پھر بھی حکومت کو قرضوں کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ اگر یہ ضرورت پیداواری منصوبوں کے لیے ہو تو حکومت مضاربت اور شرکت کے اصول پر عوام سے ادرا بنکوں سے سرمایہ حاصل کر سکتی ہے اور ان منصوبوں کے منافع میں سرمایہ فراہم کرنے والوں کو حصہ دار بنا سکتی ہے۔ اور اگر غیر پیداواری منصوبوں کے لیے مثلاً دفاع کے لیے یا عوام کو دوسری سہولتیں فراہم کرنے کے لیے قرض کی حقیقی ضرورت درپیش ہو تو وہ جب عوام سے اپیل کرے گی تو امید ہے کہ لوگ رضا کارانہ طور پر غیر سودی قرضے دینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ جب وہ اپنی فاضل دولت حفاظت کے لیے بنکوں کو دیتے ہیں تو قومی ضرورت کے لیے اپنی حکومت کو کیوں نہیں دیں گے! حکومت کے پاس تو ان کا روپیہ زیادہ محفوظ ہوگا، لیکن اگر بالفرض مذکورہ تمام ذرائع سے مطلوبہ سرمایہ نہ مل سکا اور ضرورت حقیقی اور فوری ہو تو مطلوبہ قرض سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے زبردستی لینے کا حق بھی حکومت کو حاصل ہے اس لیے کہ مصلحتِ عامہ کو مصلحتِ خاصہ پر ترجیح حاصل ہے اور امیر کا یہ حکم معصیت کا حکم نہیں ہوگا، بلکہ معروف اور نسکی کا حکم ہوگا جس کی اطاعت عوام پر لازم ہے۔

## بینکوں سے غیر سودی قرضے حاصل کرنے کی متبادل تجاویز:

(ب) بینکوں کی جانب سے مختلف ضروریات کے لیے غیر سودی قرضے فراہم کرنے کے بارے میں آپ کیا متبادل تجاویز دیتے ہیں؟

جواب: قومی ضروریات کے لیے حکومت کو جن قرضوں کی ضرورت پڑتی ہے ان کے بارے

میں توشیح الف کے حجاب میں متبادل تدابیر کا خلاصہ عرض کر دیا گیا ہے، باقی رہے وہ قرضے جو عوام کو اپنی مرئی یا تجارتی ضروریات کے لیے فراہم کیے جاتے ہیں تو اس بارے میں درج ذیل نکات پیش خدمت ہیں،

(۱) غیر سودی معاشرے میں انشاء اللہ باہمی تعاون اور ہمدردی کا ایسا ماحول پیدا ہو جائے گا جس میں لوگ ایک دوسرے کی مدد قرض اور اعانت دونوں صورتوں میں کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے اور بنکوں یا حکومت سے قرض لینے کی ضرورت نسبتاً کم ہو جائے گی۔

(۲) جو لوگ اپنی بنیادی ضروریات تک سے محروم ہو چکے ہوں اور قرض کی واپسی کا کوئی ذریعہ بھی نہ رکھتے ہوں تو ان کی کفالت حکومت اور معاشرے کی ذمہ داری ہے۔ زکوٰۃ و عشر سے یا قومی خزانے سے ایسے لوگوں کو قرض نہیں بلکہ امدادی جائے گی اور حکومت اس مدد کو باقی تمام مدت پر فرقیہت دینے کی شرعاً پابند ہے۔

(۳) جو لوگ سرکاری یا نجی اداروں میں ملازم ہوں ان کو ضرورت کے وقت قرضے فراہم کرنا ان محکموں یا اداروں کا فرض ہے جن میں وہ خدمات انجام دیتے ہوں۔ اجیر خاص (جو کسی اور جگہ کام نہ کرتا ہو) کی کفالت اجیر کی شرعی ذمہ داری بھی ہے اور اس سے اجرا اور اجیر کے باہمی تعلقات خوشگوار ہونے کی وجہ سے پیداوار پر بھی اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔ حکومت قوانین و قواعد بنا کر اس نظام کو قانوناً نافذ کر سکتی ہے۔

(۴) وہ لوگ جن کو اپنی ضروریات کے لیے وقتی طور پر قرضوں کی ضرورت ہو اور وہ کسی محکمے یا ادارے کے ملازم نہ ہوں، بلکہ عام صارفین ہوں اور ان کے پاس ایسے ذرائع موجود ہوں جن سے وہ مستقبل میں قرضے واپس کر سکتے ہوں تو ان کو بھی قرض فراہم کرنے کی اصل ذمہ داری حکومت پر عاید ہوتی ہے۔ اس مقصد

کے لیے الگ فنڈ ہونا چاہیے جس میں حکومت بھی رقم جمع کرے اور اغنیاء سے بھی اس فنڈ میں حصہ لینے کی اپیل کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”فَمَنْ تَوَلَّى مِنْ الْمُؤْمِنِينَ فِتْرَكَ دِينًا فَغَلَى تَضَاهٍ وَمَنْ تَوَلَّى مَالًا فَلَوْرَثَهُ“ لے

(مسلمانوں میں سے جو شخص وفات پا چکا ہو اور اپنے اوپر اس نے قرض چھوڑا ہو اور مال نہ چھوڑا ہو، تو اس قرض کا ادا کرنا مجھ پر لازم ہے حکومت پر) اور جس نے مال چھوڑا ہو تو وہ اس کے وارثوں کا ہے)

جب نادار مروض کا قرض ادا کرنا حکومت کا فرض ہے تو نادار لوگوں کو ان کی ضروریات کے لیے قرض فراہم کرنا بھی حکومت کا فرض ہونا چاہیے۔

اگر الگ فنڈ قائم نہ بھی ہو سکے تو ریاست کے عام بجٹ میں بھی اس کے لیے رقم مختص کی جاسکتی ہے اور وسائل کے طریقے معلوم کیے جاسکتے ہیں۔

(۵) باقی رہے تجارتی اور صنعتی اغراض کے لیے قرض جن کی ضرورت کاروباری لوگوں کو پڑ سکتی ہے، تو اس سلسلے میں اصولی بات تو یہ ہے کہ جب شرکت اور مضاربت کا نظام ملک میں رائج ہو جائے گا تو بینک لوگوں کو نفع نقصان میں شراکت یا مضاربت پر سرمایہ فراہم کرے گا اور اس سے تجارت اور صنعت کو انشاء اللہ فروغ ملے گا۔ اسی طرح حکومت بھی کاروباری لوگوں کو تجارت کے لیے مضاربت اور شرکت کے اصول پر قومی خزانے سے قرض فراہم کر سکتی ہے اور اپنے سرٹے کے تناسب سے نفع حاصل کر سکتی ہے۔

شہیح بخاری کتاب الکفالہ باب الدین نمبر ۲۱۷۶

شرکت اور مضاربت کے بغیر بھی حکومت کا رو باری لوگوں کو بلا سود قرضے دے سکتی ہے اور اسے دینے چاہیں اس لیے کہ جب عوام کا رو بار کریں گے تو اس سے قومی دولت میں اضافہ ہوگا اور حکومت کا بوجھ کم ہو جائے گا۔ روزگار فراہم کرنا تو ایسے بھی حکومت کا فرض ہے اور قومی معیشت کے استحکام کے لیے ضروری ہے۔ تجارت کے لیے سرکاری خزانے سے قرض دینے کی مثالیں خلافت راشدہ کے دور میں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً،

”حضرت عمرؓ کے دو بیٹے عبداللہ اور عبید اللہؓ مجاہدین کے ساتھ عراق گئے تھے۔ جب جہاد سے فارغ ہونے کے بعد بصرہ کے امیر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے ملنے آئے تو امیر بصرہ نے کہا کہ میرے پاس ایک رقم ہے جسے میں امیر المؤمنین کی خدمت میں بھیجنا چاہتا ہوں۔ آپ دونوں اس رقم سے عراق کا کوئی سامان تجارت خرید لیں اور مدینہ میں فروخت کر دیں۔ اصل رقم امیر المؤمنین کو دے دیں اور نفع آپ دونوں کا ہوگا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ یہ دونوں بھائی جب مدینہ پہنچے تو عراق کا مال نفع کے ساتھ بیچ دیا۔ نفع اپنے پاس رکھا اور اصل رقم حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ: ”اَکَلَّ البعیش اسلفہ مثل ما اسلفکما؟ قال لا فقال عمرؓ ابنا امیر المؤمنین فاسلفکما اذبا المال ورجعہ“ (کیا امیر بصرہ نے پورے لشکر کو اتنا ہی قرض دیا تھا جتنا تم کو دیا تھا؟ انہوں نے فرمایا نہیں! اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا تم امیر المؤمنین کے بیٹے ہو اس لیے اس نے تم کو قرض دیا ہے۔ اصل رقم کے ساتھ اس سے جو نفع ہوا ہے وہ بھی جمع کرادو! عبداللہؓ تو خاموش ہو گئے مگر عبید اللہؓ نے کہا امیر المؤمنین! اگر یہ مال ضائع ہو جاتا تو اس کے

ہم ذمہ دار ہوتے (اس لیے کہ قرض تھا) لیکن حضرت عمرؓ نے دوبارہ فرمایا نہیں! نفع بھی جمع کرادو۔ عبد اللہؓ تو بدستور خاموش رہے، مگر عبد اللہؓ نے اپنی بات پھر دہرائی۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے تجویز پیش کی کہ اگر آپ اس مال کو قراضہ یعنی مضاربتہ قرار دے دیں تو بہتر ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے اس تجویز کو منظور کرتے ہوئے فرمایا "قد جعلتہ قراضاً فاخذ عمرؓ راس المال ونصف الربح واخذ عبد اللہ وعبد اللہ ابنا عمرؓ نصف ربح المال" (میں نے اس مال کو مضاربتہ قرار دے دیا، چنانچہ عمرؓ نے بیت المال کے لیے اصل مال اور آدھا نفع وصول کیا اور باقی آدھا نفع عمرؓ کے بیٹوں عبد اللہؓ اور عبید اللہؓ نے لے لیا۔)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قومی خزانے کا مال قرض کے طور پر تاجروں کو دینا بھی جائز ہے اور مضاربت کے طور پر دینا بھی جائز ہے، اس لیے خلیفہ راشد حضرت عمرؓ نے بیت المال سے تجارتی قرضے دینے پر اعتراض نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ خصوصی رعایت کے شبہ کی وجہ سے اس مال کو مضاربتہ قرار دے کر آدھا نفع بھی بیت المال کے لیے وصول کر لیا۔ یہ حضرت عمرؓ کا کمال تقویٰ اور ورع تھا اور نہ ان کے بیٹے عبید اللہؓ نے جو یہ کہا تھا کہ اگر یہ مال ضائع ہو جاتا (یا تجارت میں خسارہ ہو جاتا)، تو اس کے ضامن ہم ہوتے، یعنی اپنے پاس سے یہ قرضہ ادا کرتے، لہذا اس کا نفع بھی ہمارا حق ہے۔ یہ بات اس حدیث رسولؐ کے مطابق تھی کہ: الخراج بالضمان یعنی "جو شخص نقصان کی ذمہ داری اٹھاتا ہے فائدہ اٹھانا

سعد ابوداؤد فی البیوع باب من اشترى نمبر ۳۵۰۸، ترمذی فی البیوع نمبر ۱۲۸۶، نسائی شریف فی البیوع

باب الخراج بالضمان، ابن ماجہ فی التجارات باب الخراج بالضمان، مسند احمد صفحہ نمبر ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲

جلد ۱، ۲۳۷، ۲۳۸

بھی اسی کا حق ہے۔“

اس حدیث کے مستند حوالے میں نے اس لیے تفصیل کے ساتھ تلاش کر کے دیے ہیں کہ معاشی مسائل کی متعدد جزئیات میں اس کو دلیل بنایا جاسکتا ہے اور یہ ایک مسلمہ فقہی قاعدہ بن گیا ہے، بہر حال اس وقت اس حدیث کو اس بات کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے کہ حکومتی خزانے سے بھی بلا سود تجارتی قرضے جاری ہو سکتے ہیں اور جاری ہونے چاہئیں!

دوسری مثال حضرت عمر رضی کے دورِ خلافت کی ہے جسے ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) نے ”تاریخ الامم والملوک“ میں اس طرح نقل کیا ہے:

”عن زید بن اسلم یسبح ابیہ قال ان ہند بنت عتبہ قامت الی عمر بن الخطاب فاستقرضتہ من بیت المال اربعة آلاف تنعم فیہا وتضعہا فاقرضہا فخرجت فیہا الی بلاد کلب فاشترت و باعت“ ۱۰

(ہند بنت عتبہ (الوسفیانہ کی بیوی اور معاویہ کی والدہ) حضرت عمرؓ کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی اور ان سے بیت المال کی رقم سے چار ہزار کا قرض مانگا تاکہ وہ اس سے تجارت کر سکے اور وہ اس کی واپسی کی ذمہ دار ہوگی۔ حضرت عمرؓ نے مطلوبہ قرضہ دے دیا، چنانچہ وہ بزنس کے علاقے میں گئی اور وہاں پر خرید و فروخت کی)

اس تجارت میں اسے خسارہ ہو گیا تھا، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر یہ میرا ذاتی مال ہوتا تو معاف کر دیتا، لیکن بیت المال کا مال معاف نہیں کر سکتا۔

۱۰ تاریخ الامم والملوک طبع مصر ص ۲۹، ۳۰ جلد ۵



## نجی اور سرکاری بینکاری میں امتیاز کا مسئلہ :

۴۔ کیا اسلامی احکام کی روشنی میں بینکوں کی فراہم کردہ سہولتوں یا خدمات کے عوض سود کی وصولی کے سلسلے میں نجی اور سرکاری بینکاری میں کوئی امتیاز کیا جاسکتا ہے ؟  
جواب : نہیں جناب ! سود مطلقاً ممنوع ہے۔ اس سلسلے میں نجی اور سرکاری کا کوئی فرق نہیں ہے۔ جب سرکاری بینک سود وصول کریں گے تو نجی بینکوں کو اس سے کس طرح روکا جاسکے گا۔ دلائل پہلے دیے جا چکے ہیں، باقی رہیں خدمات تو ان کا معاوضہ نجی بینک بھی لے سکتے ہیں اور سرکاری بینک بھی لے سکتے ہیں، مگر قرض پر معاوضہ نہیں لے سکتے، اس لیے کہ یہ معاوضہ نہیں ہے بلکہ سود ہے۔

## زیر نقد کے استعمال پر معاوضہ لینا ربا ہے :

(۵الف) کیا اسلامی تعلیمات کے مطابق سرمایہ کو پیداوار کا ذریعہ تصور کر کے اس کے استعمال پر کوئی معاوضہ لیا جاسکتا ہے ؟

جواب : نہیں جناب ! زیر نقد کے استعمال پر معاوضہ (کرایہ) لینا سود ہے اور حرام ہے۔ اس سلسلے میں پہلی اور اصولی بات تو یہ ہے کہ قرآن و سنت اور اجماعِ اُمت کے مقابلے میں قیاس اور عقلی دلائل کی شرعاً کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ جب نصوص ہے یہ ثابت ہے اور اُمت کا اس پر پہلے سے اجماع موجود ہے کہ قرض مال پر اضافہ ربا ہے اور دائن کو اس المال کے علاوہ ایک جہ لینے کا حق بھی حاصل نہیں ہے تو ہم کس طرح قیاس و تصور کی بنیاد پر اس کے استعمال پر معاوضہ لینے کو جائز کہہ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شریعت کے احکام عقل کے خلاف ہیں اور ان کے اندر کوئی حکمت و مصلحت موجود نہیں ہے

بلکہ صرف حکم کی تعمیل ہی مقصد ہے۔ حکیم کے احکام حکمت سے خالی نہیں ہو سکتے اور اللہ تعالیٰ صرف حاکم نہیں ہے بلکہ حکیم بھی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی ہے اور اس عقل سے کام لینے کا حکم بھی دیا ہے، لیکن یہ عقل اللہ و رسول کے احکام کو سمجھنے اور ان کی حکم و مصالح معلوم کرنے کے لیے دی ہے۔ ان کے کھلے اور واضح احکام کو رد کرنے یا ان میں ترمیم و تحریف کرنے کے لیے نہیں دی اور نہ اس مقصد کے لیے اسے استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔ قیاس شرعی اور اجتہاد جائز ہی نہیں ہے بلکہ ضروری بھی ہے، لیکن نصوص کتاب و سنت کے خلاف قیاس و اجتہاد جائز نہیں ہے۔ ابلیس کے ملعون ہو جانے کی اصل وجہ یہی تھی کہ اُس نے اللہ کے حکم کے مقابلے میں قیاس کیا تھا۔ سونے چاندی اور کرنسی کو ذرائع پیداوار پر قیاس کر کے ان کا کرایہ لینا اور کرنسی کو ذریعہ پیداوار تصور کرنا ایک ایسا قیاس اور ایسا تصور ہے جو قرآن و سنت اور اجماع کے خلاف ہے جس کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس اصولی بات کے دلائل اتنے مشہور و معروف ہیں کہ ان کا بیان کرنا صرف تحصیل حاصل ہوگا۔ اس لیے میں دلائل کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ ظاہر ہے کہ شرعی عدالت کو یہ دلائل اچھی طرح معلوم ہیں، البتہ عقلی لحاظ سے حرمت ربوہ کی حکمت و مصلحت پر کچھ گزارشات پیش کرنا مناسب ہے جریہ میں:

”تقدیر“ یعنی سونا اور چاندی بجائے خود اپنی ذات کے اعتبار سے ذریعہ پیداوار نہیں ہیں، بلکہ صرف ایک قوت خرید ہیں اور ذریعہ تجارت“ ہیں، یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ سونا اور چاندی اپنی اصل طبیعت اور ذات کے اعتبار سے نفع آور چیز بھی نہیں ہے اور اتیوار استعمال میں بھی شامل نہیں ہے، اس سے نہ پیٹ مجرتا ہے، نہ پیاں بچتی ہے۔ اسے نہ لباس کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے

اور نہ یہ بیماریوں کا علاج ہے۔ یہ تو صرف اشیاء صرف کے تبادلے کا ایک ذریعہ اور مقیاس ہے جس سے اشیاء استعمال کی قیمتوں کا تعین ہوتا ہے۔ جس شخص کو نقدین یا کرنسی کے ذریعے نفع کمانا ہو تو اسے چاہیے کہ اسے خود تجارت میں لگائے یا کسی کو نفع نقصان و فائدہ میں شراکت یا صرف نفع میں شراکت کے اصول شرعیہ کے مطابق دے دے، اگر خسارہ ہوا تو سرمائے میں کمی آجائے گی اور اگر نفع ہوا تو اس میں اضافہ ہو جائے گا۔ یہ عقلاً و شرعاً جائز ہے۔ آخر ذریعہ تجارت کو سمجھتے خود سامان تجارت بنانے اور اشیاء استعمال تصور کرنے میں کون سی معقولیت ہے جس کی وجہ سے اس کا معاوضہ اور کرایہ وصول کیا جائے اور اسے حلال سمجھا جائے۔ نقدین کے استعمال کا کرایہ ہی تو وہ رہتا ہے جسے اللہ نے حرام کر دیا ہے۔ زر نقد سے زر نقد کمانا اور اس کو سامان تجارت بنانا ایک غیر معقول اور غیر طبعی امر ہے جسے فلاسفہ نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مصر کے مشہور فقہ ابو زہرہ (متوفی ۱۹۷۴ء)

نے اپنے رسالے ”بحوث فی الربا“ میں ارسطو کا قول نقل کیا ہے کہ :

”سود ایک ایسا طریقہ کسب ہے جس میں زر نقد زر نقد کماتا ہے جو کہ

خلاف طبع ہے۔ اس لیے کہ زر نقد اس لیے ہے کہ وہ مبادلہ کا ذریعہ بنے۔“

امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) نے احیاء العلوم میں اس بارے میں طویل بحث کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے :

”دلوں اور اشرفیوں کا پیدا کرنا اللہ کی ایک نعمت ہے۔ انہی سے دنیا

کا نظام چلتا ہے۔ یہ ہیں تو پتھر جن کی ذات میں کوئی نفع نہیں ہے، لیکن

لوگ اپنی ضرورت کی چیزیں حاصل کرنے میں ان کو واسطہ بنانے پر مجبور

ہیں اس لیے کہ ہر انسان ایمان کثیرہ یعنی بہت سی اشیائے صرف کا محتاج ہے۔ مثلاً ایک کے پاس زعفران ہے مگر اسے سواری کے لیے اونٹ کی ضرورت ہے۔ دوسرے کے پاس اونٹ ہے مگر اسے زعفران کی ضرورت ہے۔ ان دونوں چیزوں کے تبادلے کے لیے قیمت کے تعین کی ضرورت ہے کہ زعفران کی کتنی مقدار کے بدلے میں اونٹ مل سکتا ہے اور ایک اونٹ کے بدلے میں کتنی مقدار میں زعفران مل سکتا ہے۔ قیمتوں کے اس تعین کے لیے ایک تیسری چیز کی ضرورت ہے جو ایک واسطے اور حاکم عدل کا فرض انجام دے سکے۔ وہ واسطے اور حاکم یہی روپے اور اشرفیاں ہیں جن کے ذریعے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ زعفران کی کتنی مقدار ایک اونٹ کی قیمت بن سکتا ہے۔

تو جو شخص روپے اور اشرفیاں میں وہ عمل کرتا ہے جو اس کی تخلیق کے اصل مقصد کے خلاف ہے، تو وہ اس نعمت کی ناشکری اور بے قدری کرتا ہے۔ مثلاً سونے اور چاندی کا ذخیرہ جمع کر کے اسے اپنا اصل فرض ادا کرنے سے روک دینا ان پر ظلم ہے۔ اس کی مثال تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے حاکم کو قید خانے میں بند کر دیا جائے تاکہ وہ حکومت کا فرض انجام نہ دے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر پہنچا دو۔" اسی طرح سونے اور چاندی کے برتن بنا کر استعمال کرنا بھی ظلم ہے اور کفرانِ نعمت ہے۔ اس کی مثال تو یہ ہے کہ حاکم شہر کو جولاہا بنا دیا جائے یا اسے کوئی اور خسیس کام کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اسی لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "جس

شخص نے سونے یا چاندی کے برتن میں پانی پیا ہو تو گویا اس نے اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھڑکادی ہے۔“  
اس کے بعد لکھتے ہیں :

”وكل من عامل معاملة السباع على الدراهم والدينار فقد كفر النعمة وظلمَ لانها مخلوقا لغيرها لانفسها اذ لا غرض في عينها فاذا اتجر في عينها فقد اتخذها مقصوداً حلي خلاف وضع الحكمة عليه (اور جو شخص روپوں اور اشرفیوں میں ربا کا معاملہ کرتا ہے وہ کفرانِ نعمت کرتا ہے اور ظلم کرتا ہے، اس لیے کہ یہ تو دوسری چیزوں کے حصول کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ ان کی ذات میں کوئی غرض اور فائدہ نہیں ہے تو جب اس شخص نے ان کی ذات کو سامانِ تجارت بنا دیا تو ان کی اصل حکمتِ تخلیق کے خلاف ان کو بذاتِ خود مقصود بنا لیا۔)

شیخ محمد عبده نے امام غزالی ہی کی تحقیق کو اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے :  
” ان النقدین انما وضعوا لیکون امیازاً للنقد برفیقہ الاشیاء الاتی ینتفع بها الناس فی معایشہم فاذا تحوّل هذا وصار النقد مقصوداً بالاستغلال فانّ هذا یتودی الی انتزاع الثروتہ من ایدی الناس و حصوها فی ایدی الذین یجعلون اعمالہم قاصرتہ فی استغلال المال بالمال فینموا المال ویؤثروا عندہم ویحزن فی القساویث والبیوت المالیة ویعین للعاملین قیدیہ اعمالہم“

علم اجیالہ العلوم ص ۹۶، ۹۷ جلد ۴ طبع بیروت ۱۹۸۶ء کتاب الشکر الرکن الاول

علم تفسیر المنار طبع بیروت ص ۱۹۱، ۱۹۲ جلد ۳

انقدین کو اس لیے بنایا گیا ہے کہ یہ ان چیزوں کی قیمتوں کے تعین کے لیے ترازو بن سکیں جن سے لوگ اپنی زندگی میں فائدہ اٹھاتے ہیں تو جب ان کی اصل حیثیت بدل دی جائے اور زر نقد بھائے خود ذریعہ آمدن بن جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دولت لوگوں کے ہاتھوں سے کھنچ کر ان لوگوں کے ہاتھوں میں جمع ہو جائے گی جن کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ زر نقد سے زر نقد کمائیں اور محنت کرنے والوں کی محنت کی قیمتیں گھٹ جائیں گی۔

سونے اور چاندی کی جگہ اب کرنسی نوٹ اگئے ہیں جن کا صرف ذریعہ تجارت ہونا محتاج بیان نہیں ہے۔

## اشیاء استعمال کے معاوضے اور نقدین کے استعمال کے معاوضے کے درمیان وجہ امتیاز

سودی ہمیشہ کے حامیوں کی جانب سے یہ بات بار بار دہرائی جاتی ہے کہ جب مکانات، سواریوں، زمینوں اور دوسری ان چیزوں کے استعمال کا کر ایہ اور معاوضہ جائز ہے تو نقد سرمائے یعنی سونے چاندی اور کرنسی کے استعمال، یعنی اسے تجارت میں لگانے کا کر ایہ اور معاوضہ کیوں ممنوع ہے؟ اس کا اصولی جواب تو یہ ہے کہ اشیاء استعمال کا کر ایہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جائز قرار دیا ہے اور زر نقد کا معاوضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا ہے۔ بس یہی فرق ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس فرق کی عقلی اور فلسفیانہ وجہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب بھی دیا جا چکا ہے کہ زر نقد بذات خود نہ ذریعہ پیداوار ہے اور نہ کوئی استعمال کی چیز ہے، بلکہ قربت خرید ہے اور اشیاء ضرورت کے تبادلے کا ایک واسطہ ہے۔ اس کی ذات میں نفع آوری کی صفت سرے سے

موجود ہی نہیں ہے تو اس کا استعمال کیسے ہوگا اور اس کا کرایہ کیسے وصول کیا جاسکے گا؟ مکان کا استعمال یہ ہے کہ اس میں رہائش رکھی جاتی ہے اور اس کے بدلے میں کرایہ دیا جاتا ہے۔ سواری کا استعمال یہ ہے کہ اس میں سفر کیا جاتا ہے اور اس کے بدلے میں کرایہ دیا جاتا ہے۔ مزدور اور ملازم کا استعمال یہ ہے کہ وہ کام کرتا ہے اور اس کے بدلے میں اجرت لیتا ہے جو اس کی خدمت کا معاوضہ ہے۔

اور زمین کا استعمال یہ ہے کہ اس میں غلہ، سبزیاں اور ضرورت کی دوسری چیزیں لگائی جاتی ہیں یا اس پر مکانات، دکانیں اور کارخانے بنائے جاتے ہیں اور زمین کا کرایہ اس کے استعمال کا معاوضہ ہے، یعنی ان چیزوں میں بذاتِ خود نفع اور فائدہ پہنچانے کی صفت موجود ہے، لہذا سونے اور چاندی کا ڈھیر لگا دیجیے یا کرنسی نوٹوں سے کس ہی نہیں پورے مکان کو بھر دیجیے اور پھر یعنی محنت ہو سکے کر لیجیے کسی بھی محنت اور تدبیر سے آپ کو ان سے نہ رہائش گاہ ملے گی، نہ کھانا ملے گا نہ کپڑا ملے گا نہ سواری ملے گی نہ علم کے حصول کے لیے کتابیں ملیں گی نہ علاج کے لیے دوا ملے گی اور نہ آپ کی کوئی اور ضرورت ان سے پوری ہوگی۔ ان سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ان کو جیب میں ڈال کر مارکیٹ میں جا بیٹھے اور ضرورت کی چیزیں خرید کر لے آئیے۔ بعض حضرات نے اشارہ استعمال کے کراتے کی عقلی توجیہ یہ کی ہے کہ ان چیزوں کے استعمال سے قیمت میں کمی آتی ہے اور انہیں نقصان پہنچتا ہے اور کرایہ و معاوضہ اس کمی اور نقصان کا عوض ہے، لیکن نقد سرمائے کے استعمال سے جب کہ وہ کسی کو قرض دیا گیا ہو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور اس کی قیمت میں بھی استعمال کی وجہ سے کوئی کمی نہیں آتی۔ اگر آتی بھی ہے تو دوسرے عوامل کی وجہ سے آتی ہے۔ اس لیے نقد سرمائے کے استعمال کا کرایہ لینا بلاوجہ ہے۔ یہ بھی ایک اچھی توجیہ ہے

لیکن میرے نزدیک یہ ثانوی درجے کی توجیہ ہے جو اکثر اشیاء استعمال میں درست ثابت ہوتی ہے، لیکن زمین کو زراعت یا باغبانی کے لیے کرائے پر لینے کی صورت میں یہ توجیہ مشکوک ہو جاتی ہے۔ اصل وجہ یہی ہے کہ نقد مرایہ تجارت اور خرید و فروخت کا ایک ذریعہ ہے، بذاتِ خود کوئی استعمال اور پیداوار کی چیز نہیں ہے، اس لیے اس کا کرایہ جائز نہیں ہے اور اس تجارت اور خرید و فروخت کا نفع جائز ہے کہ اس سے پیداوار حاصل کی جائے اور دوسری ضروریات کے لیے استعمال کیا جائے، اس لیے اس کا کرایہ بھی جائز ہے اور بٹائی پروینا اور لینا بھی جائز ہے۔

مزارعت یعنی بٹائی کا معاملہ مختلف فیہ ہے، لیکن زمین کا نقد کرایہ چاروں فقہی مکاتبِ فکر میں جائز ہے۔ امام نوویؒ نے شرح مسلم باب کراء الارض بالذهب والفضہ میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا مسلک یہی نقل کیا ہے کہ نقد کرایہ پر زمین زراعت کے لیے یا باغبانی کے لیے یا کسی اور جائز استعمال کے لیے دینا جائز ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

”فذهب عامة اهل العلم الى جوازها بالدراهم ودينار“<sup>۱</sup>

(عام اہل علم نے روپیوں اور اشرفیوں کی صورت میں زمین کے کرائے کو جائز قرار دیا ہے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”أكرهوا بالذهب والفضة“<sup>۲</sup>  
(زمین سونے چاندی کی صورت میں کرایہ پر دے سکتے ہو)

اس کے جواز میں صحیح مسلم، نسائی، ترمذی اور دوسری کتابوں میں کافی احادیث

<sup>۱</sup> شرح السنہ ص ۲۶۳ جلد ۸ طبع ۱۹۸۳ء

<sup>۲</sup> ابوداؤد فی البیوع باب فی المزارعة



اور آثار موجود ہیں، لیکن چونکہ یہ اس وقت موضوع سے متعلق مسئلہ نہیں ہے، اس لیے مزید تفصیل اور دلائل کی ضرورت نہیں ہے۔ ابن حزمؒ کو ایک حدیث کا مفہوم سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہے اس لیے وہ بٹائی کو تو جائز کہتے ہیں، مگر نقد کرائے کو ناجائز کہتے ہیں۔ مولانا مودودیؒ کو بھی میرا خیال ہے کہ بعض احادیث سے غلط فہمی ہو گئی ہے۔ اپنی کتاب سود میں انہوں نے ۲۰ روپے لیکھ یا ۵۰ روپے ایک روپیے کرائے اور لگان کو شبہہ ربا قرار دیا ہے اور مسئلہ ملکیت زمین میں جو کرائے قائم فرمائی ہے اس میں بھی کافی الجھاؤ محسوس ہوتا ہے۔ بہر حال اس وقت ابن حزمؒ یا مولانا مودودیؒ کی رائے پر کوئی تبصرہ یا مسئلے کی پوری تفصیل و نتیجہ میرے پیش نظر نہیں ہے، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اشیاء استعمال اور ذرائع پیداوار کا کرایہ ربا نہیں ہے اور زر نقد کا کرایہ ربا ہے۔

## کرنسی کی قیمت میں کمی کا اثر قرض کی اصل رقم پر نہیں پڑتا:

سوالہ: کیا کرنسی کی قیمت میں کمی اس قرض پر اثر انداز ہوتی ہے جو اس کمی سے پہلے لیا گیا ہو؟

جواب: نہیں جناب! فقہ کا قاعدہ ہے کہ "الاقراضُ نقضیٰ یا مثالیٰ" یعنی قرضوں کی ادائیگی مثل سے ہوتی ہے، یعنی جتنا لیا تھا اور جس قسم سے لیا تھا اتنا ہی اور اسی قسم سے واپس کیا جائے گا۔ قیمتوں کی کمی بیشی تو حالات کے تغیر سے ہوتی ہے۔ ان حالات اور عوامل کو قرض دار نے تو نہیں بدلا کہ اسے اس کی تلافی کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے "فلکھو دویس امواکھو" یعنی تمہیں صرف اصل رقم کی وصولی کا حق ہے۔ اس اصول پر زر نقد کی قوت خرید میں کمی بیشی کا کوئی اثر نہیں پڑتا کسی آیت، حدیث یا قول صحابی یا قول فقہیہ میں اس اثر اندازی کا ذکر میرے مطالعے میں نہیں

ایا۔ اس کمی کا اثر تو سارے لوگوں پر پڑتا ہے، صرف قرض دینے والے پر نہیں پڑتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ رقم اگر مالک کے پاس ہوتی تو وہ اسے تجارت میں لگاتا اور نفع کماتا اور اس نفع سے کرنسی کی قیمت میں کمی کی تلافی ہو جاتی، تو اگر اس کا مقصد کسی کی ضرورت پوری کرنا نہیں تھا، بلکہ نفع کمانا مقصد تھا تو اپنے سرمائے کو تجارت میں لگا دیتا یا کسی کو مضاربت پر دے دیتا۔ یہ راستہ تو اس پر کسی نے بند نہیں کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں کرنسی کی قیمت میں کمی کے اثرات سے بچنے کے لیے یہ تجویز ہو کہ قرض دیتے وقت یہ معاہدہ کر لیا جائے کہ جب ادائیگی کی میعاد آجائے تو یہ قرض جنس کی صورت میں واپس کیا جائے گا، مثلاً ۵۰ روپے قرض دیا اور ادائیگی کے وقت اس رقم کی جتنی گندم بنتی ہو یا جتنا کپڑا بننا ہو وہ دیا جائے تو اس طرح کرنسی کی قیمت خرید میں کمی بیشی کا ازالہ ہو جائے گا، لیکن یہ معاملہ تو پھر قرض نہیں ہوگا، بلکہ بیع سلم کا معاملہ بن جائے گا۔ دو قسم کے معاملے ایک ہی چیز میں نہیں کئے جا سکتے۔ قرض ہے تو ادائیگی بالمثل کرنی ہوگی اور اگر بیع سلم ہے تو اس کی شرائط مذکورہ فی الحدیث پوری کرنی ہوں گی۔ بیع سلم کے جواز کے لیے ضروری ہے کہ جنس کی قیمت معاہدے کی مجلس میں طے کی جائے اور اسی وقت بیع کو دے دی جائے؛ تاکہ ادھار کے بدلے ادھار کی شکل نہ بن جائے جواز روئے حدیث ممنوع ہے اور جس چیز کی قیمت پیشگی دے گئی ہو اس کی مقدار، جنس، صفت اور ادائیگی کا وقت اور ادائیگی کی جگہ یہ سب چیزیں متعین کرنی ہوں گی۔

## سونے کی قیمتوں اور استعمالی اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کا اثر

سوال: کیا افراط زر کی بنا پر سونے کی قیمتوں میں اضافے اور کرنسی کے حساب سے استعمالی

اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کا قرض پر لی ہوئی رقم پر اثر پڑتا ہے؟  
جواب: قرض کی جتنی رقم لی گئی تھی اتنی ہی لوٹائی ہوگی۔ سونے کی قیمتوں یا اشیاء استعمال  
کی چیزوں کی قیمتوں میں کمی بیشی کی وجہ سے قرض کی اصل رقم یعنی راس المال میں  
کمی بیشی جائز نہیں ہے اور حرمتِ ربا کی آیات میں کسی قسم کے اشتنا کی دلیل  
موجود نہیں ہے۔

## ملکی اور غیر ملکی تجارت کی کامیابی کی تجاویز:

(۶) سود پر مبنی بنکاری کی سولتوں سے استفادہ کیے بغیر موجودہ اقتصادی حالات میں  
وہ کون سی متبادل تجاویز ہو سکتی ہیں جن پر ملکی اور غیر ملکی تجارت کو کامیابی سے  
چلایا جاسکتا ہے؟

جواب: بینک تاجروں کی جو جائز خدمات انجام دیتے ہیں ان کا معاوضہ تو شرعاً بھی لے  
سکتے ہیں۔ باقی رہیں تجارت کی کامیابی کی تجاویز، تو اس بارے میں عرض یہ ہے  
کہ سودی بنکاری کے نظام کو بحال رکھ کر متبادل تجاویز بے اثر ثابت ہوں گی۔  
کچھ تجاویز تو سوال نمبر ۲ کے جواب میں عرض کر دی گئی ہیں اور جب حرام کا راستہ  
بند ہو جائے گا تو حلال کے راستے خود بخود سامنے آجائیں گے۔ غیر ملکی تاجروں کو  
اگر ہم سود نہ دیں تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ قیمتیں بڑھا دیں گے،  
عملاً کچھ زیادہ اثر نہیں پڑے گا۔

## دو مسلم ریاستوں یا مسلم و غیر مسلم ریاست کے

### مابین سودی کاروبار

(۷) کیا اسلامی احکام کے مطابق دو مسلم ریاستوں اور ایک مسلم و غیر مسلم ریاست کے مابین

سوڈی کی بنیاد پر کاروبار جائز ہے یا ناجائز ہے ؟

جواب :

(الف) ناجائز ہے ! جو چیز انفرادی اور نجی زندگی میں ناجائز ہو وہ اجتماعی زندگی میں بھی ناجائز ہوتی ہے۔ ریاستیں تو عوام کے لیے کاروبار کرتی ہیں اور عوام کی نمائندہ اور وکیل ہوتی ہیں اور جو چیز محکم کے لیے جائز نہ ہو وہ اس کے وکیل کے لیے بھی جائز نہیں ہو سکتی۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "ہایہ" میں ہے،  
 "کل عقد جازان یعقدہ الانسان جازان یوکل بہ غیرہ"  
 (ہر وہ معاملہ جو ایک شخص خود کر سکتا ہو تو اس کے لیے وکیل بھی مقرر کر سکتا ہے۔)  
 لگے لکھتے ہیں :

"ومن شروط الوكالة ان يكون الموكل من يملك التصرف بملء  
 (وکالت کی ایک شرط یہ ہے کہ موکل جس کام کے لیے مقرر کرتا ہے وہ اس  
 کے لیے بھی جائز ہو)

(ب) قرآن و سنت میں ربا کو مطلقاً حرام کیا گیا ہے اور سوڈ کا بقایا چھوڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان نصوص میں ریاستوں کیلئے اشتنا موجود نہیں ہے، بلکہ اسلامی ریاست کا خود کسی سوڈی کاروبار میں ملوث ہو جانا تو زیادہ نقصان دہ ہے اس لیے کہ اس کا فرض منصبی سوڈ کا مثالی ہے اور غیر سوڈی معیشت کو نافرمان ہے تو جب یہ خود سوڈی کاروبار کرتی ہو تو معاشرے کو اس ظلم سے کس طرح پاک کر سکے گی !

شفہ ہایہ فی اول کتاب الوکالہ

شفہ ہایہ مع فتح القدر ص ۵۱ جلد ۷ طبع ۱۹۷۰ء

## (ج) مسلمان اور کافر کے درمیان دارالحرب میں

### سوڈی کاروبار کا مسئلہ؛

کچھ لوگ غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ سوڈی کاروبار کے حجاز کے ثبوت میں امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگرد امام محمدؒ کے اس مسلک کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ دارالحرب میں مسلمان اور کافر کے درمیان سوڈی لین دین جائز ہے، اگرچہ اس سوال کے ساتھ براہ راست اس مسئلے کا تعلق نہیں ہے، اس لیے کہ مسلم ریاست اور غیر مسلم ریاست کے درمیان سوڈی کے حجاز کا قول نہ امام ابوحنیفہؒ کا ہے اور نہ کسی اور کا، لہذا اس مسئلے میں امام اعظم کے فتوے کو ثبوت میں پیش کرنا لاعلمی اور غلط فہمی پر مبنی ہے یا پھر فریب دہی پر مبنی ہے، لیکن کچھ لوگ اس فتوے کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں اس لیے اس مسئلے کی بھی تقدیر ضرورت و ضاحت مناسب ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ایک شاگرد امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ دارالحرب کی حدود کے اندر حربی کافر اور اسلامی ریاست سے دارالحرب میں پرانا امن (دینا) لے کر جانے والے مسلمان کے درمیان سوڈ اور دوسرے عقود فاسدہ جائز ہیں، لیکن اگر حربی کافر امن لے کر دارالاسلام میں آجائے تو پھر اس کے ساتھ دارالاسلام کی حدود کے اندر سوڈی کاروبار جائز نہیں ہے۔

دوسری جانب امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام ابوحنیفہؒ کے دوسرے شاگرد

۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔

امام ابو یوسفؒ اور جمہور فقہاء و محدثین کی رائے یہ ہے کہ ربا، قمار اور دوسرے عقود فاسدہ مسلمان کے لیے مطلقاً حرام ہیں۔ حربی اور غیر حربی میں اور دارالاسلام اور دارالحرب میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔

## امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے دلائل :

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی تحقیق اور فتوے کے لیے جو دلائل التیسرے کبیر الامام محمدؒ اور دوسری کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں ان کا خلاصہ اور ان پر تبصرہ درج ذیل ہے :

(۱) پہلی اور مشہور دلیل ایک مرسل حدیث ہے۔ علامہ جمال الدین زلیحی حنفی (متوفی ۷۶۲ھ) نے اس حدیث کو اس تبصرے کے ساتھ نقل کیا ہے :

” لا ربا بین المسلم والحرابی فی دار الحرب قلت غریبٌ و اسناد البیهقی فی المعرفة فی کتاب التیسر“ عن الشافعی قال قال ابو یوسف اتنا قال ابو حنیفہؒ هذا لان بعض المشیخہ حدَّثنا عن مکحول عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال لا ربا بین اهل الحرب و اظننته قال و اهل الاسلام قال الشافعی و هذا لیس بثابت و لاجحة فیہ انتہی کلامہ ”

(مسلمان اور حربی کے درمیان سود نہیں ہے) یہ حدیث غریب ہے (اس کی دوئی سند موجود نہیں ہے) بیہقی نے اپنی کتاب ”المعرفة فی السنن والآثار“ میں سند

سنة فتح القدر ص ۳۸ جلد ۱ اور دوسری کتب

سنة نصب الترایہ للزیلعی ص ۴۴ جلد ۴ مجلس علمی ڈھابیل ۱۹۳۸ء، و مثله

فی التدرایہ لابن حجر -

کے ساتھ امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے (جو جواز کے قائل نہیں ہیں) کہا تھا کہ ابو حنیفہؒ نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ بعض اساتذہ نے کھولنے سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اہل حرب اور اہل اسلام کے درمیان سوؤ نہیں ہے۔ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور یہ حجت نہیں بن سکتی

زیلعی حنفی ہیں اور نصب الرازی میں وہ حنفی مسلک کے دلائل نقل کرتے رہتے ہیں۔ اگر یہ حدیث کسی اور سند کے ساتھ کسی کتاب میں موجود ہوتی تو زیلعیؒ اس کا ذکر ضرور کرتے یا اگر ان کے نزدیک امام شافعیؒ کی جرح درست نہ ہوتی تو وہ اس کی تردید فرماتے۔

اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرنے والے مکحولؒ اثنی عشری (متوفی ۱۱۶ھ) ہیں۔ المعجمؒ متوفی ۲۶۱ھ، ابن حبانؒ (متوفی ۳۵۴ھ) دارقطنیؒ (متوفی ۲۸۵ھ) اور ابن حجر عسقلانیؒ نے مکحولؒ شامی کو ثقہ قرار دیا ہے، مگر یہ تابعی تھے صحابی نہیں تھے بلکہ

تابعی کی روایت میں جب صحابی کا ذکر نہ ہوا ہو تو اس کو حدیث مرسل کہا جاتا ہے ثقہ تابعی کی مرسل روایت اگرچہ حنفیہ اور دوسرے بہت سے ائمہ کے نزدیک حجت ہے اور قابل قبول ہے، مگر شرط یہ ہے کہ سند میں ارسال کے علاوہ دوسری کوئی کمزوری موجود نہ ہو اور اس حدیث کی سند میں دوسری بڑی علت یہ ہے کہ مکحولؒ سے نقل کرنے والا راوی مجہول ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے بعض المشیخہ، یعنی بعض اساتذہ کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور مجہول الاسم یا مجہول الحال راوی کی روایت حجت نہیں بن سکتی۔ اگر یہ حدیث امام

لے تاریخ الثقات للعلی طبع بیروت ۱۹۸۴ء، ص ۴۳۹، کتاب الثقات لابن حبان ص ۲۲۶

جلد ۱، اسامی التابعین للدارقطنی طبع بیروت ۱۹۸۵ء، ص ۲۵۶ جلد ۲۔ تہذیب

التہذیب لابن حجر، ص ۲۸۹ تا ۲۹۲ جلد ۱۰

ابو یوسف کے نزدیک صحیح ہوتی تو اس کے مطابق فتویٰ دیتے، اس لیے کہ یہ خود اس کے راوی ہیں، مگر انہوں نے بعض المشیخہ کا لفظ استعمال کر کے خود ہی اس کے ضعف کی جانب اشارہ فرما دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس درجے کی کمزور اور مرسل روایت قرآن و سنت ثابتہ کے مقابلے میں کس طرح حجت بنائی جاسکتی ہے، جب کہ قرآن کریم میں ربا کی حرمت کا حکم عام اور قطعی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث کو تلقیناً بالقبول حاصل ہے، یعنی سلف اور مجتہدین نے اسے قبول کیا ہے اور دلیل بنایا ہے۔ اور جس حدیث کو مجتہدین نے قبول کر لیا ہو وہ باوجود ضعف سند کے قابل قبول ہوتی ہے، اس لیے کہ مجتہدین سلف کا قبول کرنا اور دلیل قرار دینا اس بات کا قرینہ ہوتا ہے کہ حدیث کی کوئی صحیح سند ان کو معلوم ہوگی جو ہم تک نہیں پہنچ سکی، لیکن اس حدیث کو تو مجتہدین سلف کی غالب ترین اکثریت نے رد کر دیا ہے اور اسے مجتہدین میں قبول عام حاصل نہیں ہوا۔

دوسری دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ جب رومیوں کو ایرانیوں کے ہاتھوں شکست ہوئی اور قرآن کریم نے پیشین گوئی کی کہ رومی چند سالوں (بفتح سنین) میں دوبارہ غالب آجائیں گے تو ابی بن خلف نے اس کا مذاق اڑایا۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیق نے شرط لگادی کہ اگر رومی ۹ سال کے اندر اندر دوبارہ غالب نہ آئے تو میں تم کو ستواونٹ دوں گا اور اگر غالب آگئے تو تم مجھے ستواونٹ دو گے۔ یہ معاملہ صاف مجرا تھا۔ جب غزوہ بدر کے سال رومی غالب آگئے تو ابو بکر صدیق نے ابی بن خلف کے وارثوں سے (وہ خود مر گیا تھا) شرط کے مطابق اونٹ حاصل کیے۔

اس روایت سے استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ چونکہ مکہ اُس وقت دارالحرب تھا اور دارالحرب میں مسلمان اور کافر کے درمیان سود اور حوا جاتز ہے، اس لیے رسول اللہ

سنة سنن ترمذی کتاب التفسیر سورة روم۔ تفسیر ابن جریر سورة روم



نے نہ شرط بدلنے سے روکا اور نہ جوڑنے میں جیتے ہمتے یہ ادنٹ واپس دلواتے۔  
لیکن یہ استدلال اس لیے درست نہیں ہے کہ ترمذی ہی کی ایک اور روایت  
میں راوی نے تصریح کر دی ہے کہ یہ واقعہ جوڑنے کے حرام قرار دینے سے پہلے کا ہے۔  
سود اور جوڑنے کی حرمت کا حکم بعد میں نازل ہوا تھا اور یہ واقعہ اس حکم کے  
نزدول سے بہت پہلے کا ہے۔ شرط تو باندھی گئی تھی ہجرت سے پہلے اور ادنٹ جنگ  
بدر کے سال ۲ھ میں یا اس سے بھی بعد میں وصول کیے گئے تھے اور اس وقت تک  
یقیناً جوڑنے کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ براؤن عازب کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا:

” تصدق بہ وفقی روایۃ ہذا التمت تصدق بہ“

(یہ ایک مکروہ مال ہے اسے صدقہ کر دو)

اگرچہ اس وقت جو احلال تھا، لیکن پھر بھی یہ ایک مکروہ اور خلاف مروت چیز ہے  
اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ کر دو۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب اسلام لانے کے باوجود مکہ مکرمہ  
میں مقیم تھے اور لوگوں کو سودی قرضے دیا کرتے تھے۔ مگر چونکہ اس وقت دارالحرب تھا  
اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سودی کاروبار سے منع نہیں کیا تھا۔ اگر  
دارالحرب میں بھی کافروں کے ساتھ سودی کاروبار منع ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سلف ترمذی حاملہ مذکور

سلف تفسیر درمنثور از سبوحی طبع ۱۹۸۳ء ص ۲۴۹، ۲۸۰ جلد ۶

روح المعانی و تفسیر قرطبی سورۃ روم

اسے ضرور منع فرمادیتے، اس لیے کہ یہ تو مسلمان ہو گئے تھے۔

اس سلسلے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ ابن عبدالبر نے "الاستیعاب" میں ابن الاثیر جزوی نے "اسد الغابہ" میں اور ابن حجر نے "الاصابہ" میں ایک روایت تو یہ لکھی ہے کہ حضرت عباسؓ دراصل ہجرت سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور ہجرت کرنا چاہتے تھے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا کہ تمہارا مکہ ہی میں رہنا مسلمانوں کے لیے مفید ہے، چنانچہ وہ مکہ سے مسلمانوں کو حالات اور خبریں بھیجا کرتے تھے اور اپنے اسلام کو انہوں نے کفار مکہ سے چھپائے رکھا تھا۔ غرہ بدر میں کفار مکہ ان کو زبردستی ساتھ لے گئے۔ قید ہونے پر آپ نے اپنا اور اپنے بھتیجے عقیل کا ذریعہ ادا کیا اور واپس مکہ تشریف لے گئے اور پھر فتح مکہ سے تھوڑی مدت قبل انہوں نے ہجرت فرمائی اور فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ دوسری روایت یہ نقل ہوتی ہے کہ حضرت عباسؓ فتح خیبر (۳۱ھ) سے کچھ مدت قبل مسلمان ہوئے تھے۔ لیکن حضرت عباسؓ کا کاروبار حرمت کے قطعی، حتمی اور آخری حکم آنے سے پہلے تھا۔ حتمی حکم آجانے پر حجۃ الوداع میں (اور اس سے قبل فتح مکہ کے موقع پر بھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ:

"ربا الجاہلیۃ موضوعٌ واول رباٌ أضع ربا نانا ربا العباس فانه موضوعٌ کلہ" <sup>۱</sup>

(جاہلیت کا سود ساقط ہو گیا ہے اور پہلا سود جسے میں ساقط کرتا ہوں پہلے خاندان کا سود ہے یعنی عباسؓ کا سود یہ بھی سارا ختم کر دیا ہے)

بخاری کے حوالے سے اس سے پہلے سوال نمبر ۱ کے جواب میں ابن عباسؓ کی روایت نقل کر دی گئی ہے کہ آخری آیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی وہ

۱۔ صحیح مسلم فی حدیث طویل کتاب الحج باب حجۃ النبی

سود کی حرمت کی آیت تھی، یعنی حتمی اور کلی حرمت کی آیت۔

چوتھی دلیل یہ بیان ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنو نضیر کی جلا وطنی کا فیصلہ کیا تو ان میں سے کچھ لوگوں نے کہا ہمارے کچھ قرضے یہاں کے بعض لوگوں پر بقایا ہیں جن کی میعاد ابھی پوری نہیں ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ضَعُوا أَوْ تَجْمَلُوا" (کچھ کم کر دو اور باقی میعاد سے پہلے لے لو)

اس روایت پر استدلال یوں کیا گیا ہے کہ بنو نضیر کا علاقہ عملاً دار الحرب تھا اور دار الحرب میں کافر اور مسلمان کے درمیان چونکہ سود جائز ہے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرضے کی مقدار میں کمی کر دو اور باقی وقت سے پہلے لے لو۔ حالانکہ یہ تو سود ہی کی ایک شکل ہے۔ مدت میں کمی کی وجہ سے ۱۰۰ کے بدلے میں ۸۰ دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ مدت میں اضافے کی وجہ سے ۸۰ کے بدلے میں ۱۰۰ لینا، بشرطیکہ احساناً کمی بیشی نہ کی گئی ہو، بلکہ شرط اور معاہدے کی بنا پر ایسا کیا گیا ہو اور بنو نضیر کو تو باقاعدہ معاہدے کی دعوت دی گئی تھی۔ اگر دار الحرب میں ربا جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدے کی پیش کش نہ فرماتے۔ لیکن درج ذیل وجوہات کی بنا پر دار الحرب میں جواز ربا کے لیے اس روایت پر استدلال نہیں کیا جاسکتا:

(الف) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ بنو نضیر اصل میں تو اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری تھے لہذا معاہدہ مدینہ کی وجہ سے مدینہ کی ریاست میں رہتے تھے۔ انہوں نے عمد شکیفی کی اور رسول اللہ

سور مستدرک حاکم ص ۵۲، جلد ۲، سنن کبریٰ للبیہقی ص ۲۷۲، مجمع الزوائد طبع ۱۹۶۷ء ص ۱۲۱ جلد ۴

سور حالانکہ یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے۔ یہ علاقہ اسلامی ریاست کی حدود میں شامل تھا اور یہود غیر مسلم شہریوں کی حیثیت سے از روئے معاہدہ یہاں رہتے تھے۔ (گوہر رحمن)

کے قتل کا منصوبہ بنایا جروجی آجانے کی وجہ سے ناکام ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا۔ آخر کار یہ لوگ مصالحت پر مجبور کر دیے گئے اور جلاوطن کر دیے گئے۔ ان کا تو سارا مال مالی فیتیحا تھا اس لیے کہ محاصرے کے نتیجے میں ملا تھا اگرچہ جنگ کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پر یہ احسان فرمایا تھا کہ اپنے قرضوں میں کمی کر کے باقی لے لو اور اسلحہ کے علاوہ جو چیز بھی ساتھ لے جا سکتے ہو لے جاؤ۔ اس واقعے کو دارالحرب میں جوازِ ربا کی دلیل کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ اس کے علاوہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ محاصرے اور فتح بنو نضیر سے پہلے یہ علاقہ دارالحرب تھا تو فتح کے بعد تو یہ دارالاسلام کا حصہ بن گیا اور غنم و غنم و غنم کی پیش کش تو ظاہر ہے کہ شلخ اور فتح کے بعد کی گئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ روایت دارالاسلام کی حد ہمد کے اندر بھی مسلم اور غیر مسلم کے درمیان سود کے جواز کی دلیل بن جاتی ہے، حالانکہ یہ کسی کا بھی مسلک نہیں ہے۔ جب دوسری وجہ یہ ہے کہ بنو نضیر کی جلاوطنی کا یہ واقعہ صحیح ہے اور اس وقت سود حرام ہی نہیں ہوا تھا تو اس واقعے کو دارالحرب میں جوازِ ربا کی دلیل کس طرح بنایا جا سکتا ہے۔

(ج) تیسری وجہ یہ ہے کہ مدت میں کمی کے بدلے میں قرض کی مقدار میں (ضع و تعجل کی صورت) کمی کرنا عین ربا نہیں ہے، بلکہ شبہ ربا ہے اور ذریعہ ربا ہے، یعنی یہ حقیقی ربا کا ذریعہ بن سکتا ہے اور اس کی حقیقی ربا کے ساتھ مشابہت ہے۔ جمہور فقہاء تو اسے ناجائز کہتے ہیں۔ بعض صحابہ سے بھی اس کے عدم جواز کے اقوال نقل ہوئے ہیں اور صحیح بھی یہی ہے کہ یہ شکل بھی ناجائز ہے، لیکن بعض علماء سے اس کا جواز بھی منقول ہے اس لیے یہ روایت دارالحرب میں (اگر بنو نضیر کے علاقے کو دارالحرب مان بھی لیا جائے) حقیقی ربا کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی۔

(ح) پوتھی اور آخری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کی سند پر اعتراضات بھی ہوئے ہیں -  
امام حاکم نے مستدرک میں اگرچہ اسے صحیح قرار دیا ہے، مگر علامہ ذہبی نے فرمایا ہے  
کہ اس کا ایک راوی مسلم بن خالد زنجی ضعیف ہے اور دوسرا راوی عبدالعزیز بھی  
ثقة نہیں ہے۔

ذہبی کے اس اعتراض کے جواب میں کہا گیا ہے کہ زنجی بالاتفاق ضعیف نہیں  
ہے، بعض محدثین نے اسے ثقة بھی کہا ہے اور عبدالعزیز اگر غیر ثقة بھی ہو مگر بیہقی کی  
سنن کبریٰ ص ۲ جلد ۲ پر اس کی موافقت اور تائید میں حکم بن موسیٰ کی روایت بھی موجود  
ہے جو امام مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔ اسی طرح یحییٰ بن یسین مجلی، ابو حاتم رازی،  
اور ابن سعد نے بھی حکم بن موسیٰ کو ثقة قرار دیا ہے، اس لیے یہ حدیث دوسری سند کے  
اعتبار سے قابل قبول ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس حدیث کی سند اعتراض سے تو خالی نہیں  
ہے۔ یہ ہیں وہ روایات جن کی بنیاد پر دارالحرب میں سود کو جائز قرار دیا جا رہا ہے، لیکن  
ان روایات کا جو جائزہ ہم نے لیا ہے اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جواز کی دلیل نہیں  
بن سکتیں اور یہ اتنی قوی اور واضح تو نہیں ہیں کہ ان کی بنیاد پر قرآن کریم کے عام حکم  
سے دارالحرب کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ حنفی مسلک تو یہ ہے کہ قرآن حکیم کے عام حکم  
اور مطلق حکم میں تخصیص و تقیید خبر واحد صحیح الاسناد کے ذریعے بھی جائز نہیں ہے اور یہاں  
تو خبر واحد صحیح الاسناد اور صریح الدلالة بھی موجود نہیں ہے۔

پانچویں دلیل یہ بیان کی گئی ہے اور اسی کو اصل دلیل قرار دیا گیا ہے کہ دارالحرب  
کے کفار کا مال مسلمانوں کے لیے مباح ہے، اس لیے جس ذریعے سے بھی یہ مال حاصل  
کر لیا جائے جائز ہے، لیکن حربی کا مال بلکہ اس کی جان بھی حالت جنگ میں مباح ہوتی

لے تعلیقات ذہبی بر مستدرک حاکم ص ۵۲ جلد ۲

ہے۔ عام حالات میں تو ان کے اموال مباح نہیں ہو سکتے۔ یعنی جب مسلمانوں اور کافروں کے درمیان حالت جنگ قائم ہو، بالفعل جنگ جاری ہو یا نہ ہو تو ایسی صورت میں اباحتِ مال کا حکم دیا جاسکتا ہے، لیکن کیا جو لوگ امن کے ساتھ کفار کے ملک میں رہتے ہوں یا دارالاسلام سے امن لے کر عارضی قیام کے لیے دارالحرب میں داخل ہوئے ہوں ان کے لیے بھی وہاں کے کفار کا مال مباح ہے؟ اس کے لیے قرآن و سنت سے کوئی دلیل ہونی چاہیے جو موجود نہیں ہے۔ قرآن و سنت سے اموالِ فتنی اور اموالِ غنیمت کا جواز تو ثابت ہے، مگر یہ حالتِ جنگ سے متعلق احکام ہیں یا بغیر جنگ کے، صلح کی بنا پر یا کفار کے جھاگ جانے کی بنا پر جو اموالِ مسلمانوں کے قبضے میں آتے ہوں وہ مالِ فتنی ہوں گے۔ غنیمت اور فتنی بھی حکومت کے حوالے کیا جائے گا جسے وہ شریعت کے احکام کے مطابق تقسیم کرے گی۔ اگر دارالحرب کے کفار کا مال مطلقاً مباح ہے خواہ حالتِ جنگ ہو یا نہ ہو، تو پھر جواز کے قائلین نے یہ شرط کیوں لگائی ہے کہ یہ مال زبردستی نہ چھینا گیا ہو اور وہو کہ دے کر بھی نہ لیا گیا ہو، مالِ مباح کے حصول کے لیے تو مالک کی رضا مندی شرط نہیں ہوتی۔ غالباً انہی وجوہات کی بنا پر حنفی مسلک کے ممتاز فقہ ابن الہمام نے بھی مسلکِ جواز کی دلیل میں اپنے شبہے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "یہ حدیث یعنی لادبا بین المسلم والحر بنی نصوص مطلقہ کے مقابلے میں اسی وقت پیش کی جاسکتی ہے جبکہ یہ صحیح اور قوی حدیث ہو۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ قابلِ استدلال ہے پھر بھی چونکہ یہ خبر واحد ہے اس لیے اس کے ذریعے قرآن کریم کے مطلق اور عام حکم میں تقیید و تخصیص حنفی اصول فقہ کی رو سے جائز نہیں ہے۔ اگر اس کا جواب یہ دیا جائے کہ حرمت کے احکام ان اموال سے متعلق ہیں جو مباح نہ ہوں اور حربیوں کا مال تو مباح ہے۔ اس جواب کا تقاضا تو پھر یہ ہے کہ حربی کو سود دینا جائز نہ ہو صرف ان سے لینا جائز ہو۔ اس لیے ان کا مال اگر ہمارے لیے

مباح بھی ہو ہمارا مال تو ان کے لیے مباح نہیں ہے۔ ہمارے اساتذہ درسوں میں تو یہی کہتے ہیں کہ سود اور جوڑے کا مال حربی کفار سے لینا جائز ہے مگر ان کو دینا جائز نہیں ہے، مگر امام ابوحنیفہ کا مسلک تو مطلقاً نقل ہوا ہے کہ لینا اور دینا دونوں جائز ہے۔  
واللہ اعلم بالصوابؒ

ابن الہمامؒ کے مذکورہ بیان سے صاف طور پر تشریح ہوتا ہے کہ ان کو دار الحرب میں جوازِ ربا کے دلائل پر پورا اطمینان حاصل نہیں ہے، بالخصوص حربی کفار کو سود دینے کے جواز پر تو ابن الہمامؒ بالکل مطمئن نہیں ہیں۔

ابن عابدین شامیؒ نے بھی ”شرح التیسر الکبیر“ کے حوالے سے لکھا ہے کہ:  
”جس علت کی بنا پر دار الحرب میں ربا کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا گیا ہے، یعنی یہ کہ حربی کا مال مباح ہے، اس کا تقاضا تو یہی ہے کہ حربی سے سود لینا تو جائز ہو، مگر اسے سود دینا جائز نہ ہو۔“

### علماء دیوبند کا فتویٰ :

علماء دیوبند جو حنفی مسلک رکھتے ہیں ان کے ممتاز علماء نے دار الحرب میں بھی سودی لین دین کو ناجائز کہا ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی ہے جو جمہور فقہاء اسلام کا مسلک ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں :

”کفار سے بھی سود لینا درست نہیں ہے“ (فتاویٰ رشیدیہ طبع لاہور ص ۴۱۰، ۴۱۱)

سلف نفع القدر باب الربا ص ۳۰ جلد ۱، سلف رد المحتار حاشیہ در مختار ص ۲۶۰، ۲۶۱ جلد ۴  
سلف حضرت گنگوہیؒ ہندوستان کو دار الحرب سمجھتے تھے اور ان سے سوال بھی دار الحرب میں سود کے بارے میں ہوا تھا۔ (گوبرنمنٹ)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی حنفی ہونے کے باوجود امام ابو یوسفؒ اور  
جمہور کے مسلک کو ترجیح دی ہے اور دار الحرب میں ہر قسم کے سودی لین دین کو ناجائز  
قرار دیا ہے۔ طے

دارالعلوم دیوبند کے مفتی عزیز الرحمن کا فتویٰ بھی عدم جواز کا ہے اور اس رائے کو  
انہوں نے بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے نقل کیا ہے۔ طے  
مفتی کفایت اللہ نے بھی دار الحرب میں سود دینے کو ناجائز قرار دیا ہے اگرچہ وہ  
غیر مسلم حربی سے سود لینے کی اجازت دیتے ہیں۔ طے (دار الحرب کی حدود کے اندر)

اگر کوئی حنفی عالم یہ سوال کرے کہ حنفی ہوتے ہوئے امام ابو یوسفؒ کے قول کو کس  
طرح ترجیح دی جاسکتی ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ کا درجہ فقہائیت میں ابو یوسفؒ سے بلند ہے  
وہ استاد ہیں اور یہ شاگرد ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ خود امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے  
کہ حرام علی من لا یتبعہ فی دلیل ان یتفتی بکلامی (یعنی حرام ہے اس شخص پر جو دلیل  
معلوم کیے بغیر میرے قول پر فتویٰ دیتا ہو) طے

درختار کے مقدمے اسم المفتی میں ہے کہ اگر کسی مسئلے میں امام ابو حنیفہؒ اور ان  
کے شاگردوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو جو شخص دلیل کی قوت کو سمجھ سکتا ہو  
وہ اس قول کو اختیار کرے جو دلیل کے اعتبار سے قوی ہو۔ طے

طے امداد الفتاویٰ طبع کراچی ۱۳۹۷ھ ص ۱۵۵ تا ۱۶۰ جلد ۳

طے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند عزیز الفتاویٰ ص ۶۶۵، ۶۶۶ جلد ۲ باب السلم والربا طبع کراچی

طے کفایت المفتی طبع طتان ص ۶۹، ۷۱ جلد ۸

طے المیزان اکبری للشرانی ص ۵۵ جلد ۱

طے درختار مع رد المحتار ص ۶۵، ۶۶ جلد ۱ بحوالہ الحاوی القندی



چونکہ امام ابو یوسفؒ کی رائے دلیل کے لحاظ سے قوی ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا حکم عام ہے اور قطعی ہے۔ باقی ائمہ کی بھی یہی رائے ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی تائید میں صرف ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوریؒ کا قول طحاوی کی مشکل الامار میں ملتا ہے۔ باقی کسی کا قول نظر سے نہیں گزرا، اس لیے حنفی اصول کا تقاضا بھی یہ ہے کہ جمہور کے مسلک کو ترجیح دی جائے۔

اگر امام ابو حنیفہؒ کا مسلک اختیار بھی کر لیا جائے تو پھر بھی اس کا اطلاق ان غیر مسلم ممالک پر نہیں ہوتا جن کے ساتھ مسلم ممالک کے معاہدے قائم ہیں، اس لیے کہ ان کا مال تو مباح نہیں ہے۔ معاہدین کا ملک اگرچہ اس لحاظ سے تو دار الحرب ہے کہ کسی بھی وقت وہ معاہدے کی خلاف ورزی کر کے جنگ چھیڑ سکتے ہیں۔ یعنی نظریاتی مفاہمت کسی بھی وقت عملی مفاہمت کی شکل اختیار کر سکتی ہے، مگر جب تک معاہدہ قائم ہے اس وقت تک وہ مباح الاموال نہیں ہو سکتے۔ یہاں تک کہ اگر ان کا کوئی شخص دارالسلام کے رہنے والے کسی شخص کے ہاتھ سے خطا قتل ہو گیا ہو تو اس کی دیت بھی دینی ہوگی۔ یہ آج مسلم ممالک اور غیر مسلم ممالک کے درمیان بین الاقوامی معاہدے قائم ہیں اس لیے امام صاحبؒ کے فتوے کی رو سے بھی مسلم اور غیر مسلم ریاستوں کے باشندوں کے درمیان سودی لین دین جائز نہیں ہے۔ باقی دین ریاستیں تو مسلم اور غیر مسلم ریاستوں کے درمیان سود کا لین دین تو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

## ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ کے دلائل :

امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے کہ قرآن کریم میں سود کے حرام ہونے کی آیتیں عام ہیں۔ حرم الربوا، وذرؤا ما بقی من الربوا

سورہ النساء آیت (۹۲)

اور لاتا کلو التوبا میں کسی تخصیص و اشتنا کی دلیل موجود نہیں ہے۔ مسلمان نے ہر جگہ اسلام کے احکام کی پابندی کرنے اور تحرمات سے اجتناب کرنے کا عہد کیا ہے۔ اس کے علاوہ سود کی جو اخلاقی اور معاشی خرابیاں ہیں ان کا تعلق بھی کسی مخصوص دور اور ملک سے نہیں ہے، بلکہ جہاں بھی سود خواری ہوگی وہاں یہ خرابیاں نمودار ہوں گی۔ خود غرضی، مادہ پرستی، سنگدلی اور بے رحمی وہ اخلاقی بیماریاں ہیں جو سود خواری سے پیدا ہوتی ہیں اور معاشی عدم توازن اور دولت کا ارتکاز وہ اقتصادی خرابیاں ہیں جو سود کی خاصیات ہیں۔ سود دار الاسلام میں ہو، دار الحرب میں ہو یا دار الصلح میں ہو اس سے یہ بیماریاں ضرور پیدا ہوں گی، اس لیے اسلام نے اسے ہر جگہ اور ہر ملک میں حرام کیا ہے۔



WWW.KITABOSUNNAT.COM

## بیجے کا کاروبار سود کے بغیر

سوال: کیا بیجے کا کاروبار سود کے بغیر چلایا جانا ممکن ہے؟  
 جواب: ہاں جناب! بالکل ممکن ہے، مگر اس کو چلانے کے لیے بیمہ کمپنیوں کا موجودہ نظام ختم کرنا ضروری ہے۔ بیمہ کا سودی اور غیر سودی کا دوبارہ اگر ایک وقت جاری رکھا جائے تو غیر سودی بیمہ کا نظام نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوگا۔  
 بیمہ کی متبادل غیر سودی صورتیں بیان کرنے سے پہلے موجودہ نظام کے بارے میں صحیح صورت حال کی وضاحت مناسب ہوگی، اس لیے کہ بعض لوگ اسے جائز قرار دیتے ہیں۔

### بیمہ کمپنیوں کا موجودہ نظام سود اور قمار پر مشتمل ہے:

بیمہ کمپنیوں نے یہ بات بہت مشہور کر دی ہے کہ بیمہ تو باہمی تعاون کا ایک نظام ہے جس کا مقصد حوادث و آفات سماویہ سے متاثر ہونے والوں کی امداد کرنا اور ان کے نقصانات کی تلافی کرنا ہے۔ نظر پاتی لحاظ سے تو بیجے کا یہی مقصود ہونا چاہیے اور آغاز میں بیمہ اسی مقصد کے لیے کیا جاتا ہے، لیکن حکم اور فیصلہ تصوراتی حقائق اور محض

دعووں کی بنیاد پر نہیں کیا جاسکتا، بلکہ حقائق واقعہ اور عملاً جو کچھ ہو رہا ہے اس کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ حقیقت اور واقعہ یہ ہے کہ بیمہ کمپنیوں کا مردوجہ کاروبار سودی کاروبار ہی کی ایک شکل ہے جسے باہمی تعاون و تکافل کا نام دیا جا رہا ہے۔ فقہ اسلامی کا قاعدہ ہے کہ :

”العبرة في العقود للمقاصد والمعاني“ لہ

(عقود اور معاہدوں میں اعتبار اصل مقاصد کا ہوتا ہے صرف الفاظ کا

نہیں ہوتا)

مقصد ان کمپنیوں کا سود اور جئے پر مشتمل ایک کاروبار کر کے نفع کمانا ہے۔ آفت زدہ لوگوں کے نقصان کی تلافی ان کا اصل مقصد نہیں ہے۔ باہمی تعاون تو تب ہوتا کہ بیمہ داروں کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا کہ ہم مشترکہ فنڈ سے ایک دوسرے کے نقصانات کی تلافی کریں گے، لیکن عملاً تو معاہدے سے بیمہ کمپنیوں اور بیمہ داروں کے درمیان ہوتے ہیں۔ اس معاہدے کی نوعیت کیا ہے، مصر کے ایک ماہر قانون ڈاکٹر عبدالرزاق سنووری نے اس قانون کی تعریف اس طرح کی ہے :

”الامین عقد يلتزم المتوتمن بمقتضاہ ان يتوتمن الى المتوتمن له او

الى المستفيد الذي اشترط لتامين لصاحبه مبلغاً من المال او

ايراداً مَوْتَباً او احدى عوض مالي في حالة وقوع الحادث تحقق

الخطر المُتَبَّين بالعقد وذلك في نظير قسط او اية دفعه ماليّة

اخرى يُؤد بها المتوتمن له للمتوتمن لہ

لہ المجلد ۳ - معین الحکام باب ۴۰

لہ الوسيط في الفقه المدني، طبع بيروت ۱۹۶۴ء ص ۱۰۸۴ جلد ۲، ۲

بیمہ ایک معاہدہ ہے جس میں تحفظ دینے والا یہ پابندی قبول کرتا ہے (دعویٰ کرتا ہے) کہ وہ تحفظ حاصل کرنے والے کو (بیمہ دار کو) یا اس مستفید کو جس کے لیے بیمہ کرایا گیا ہے رقم کی کوئی مقدار یا طے شدہ منافع یا کوئی دوسرا مالی معاوضہ کسی حادثے یا معاہدے میں بیان کردہ خطرے کے واقع ہوجانے کی حالت میں ادا کرے گا اور یہ ادائیگی ادا کردہ قسطوں یا کسی دوسری مالی ادائیگی کی نسبت سے کی جائے گی۔

مختلف نمائندگان میں بیجے کے قانون کی جزئیات میں فرق ہو سکتا ہے، لیکن بنیادی طور پر یہ ایک مالی معاہدہ ہے جس کا ایک فریق بیمہ دار ہوتا ہے جو ایک متعین رقم قسطوں کی شکل میں (یا یکمشت) معین مدت کے لیے بیمہ کمپنیوں کو ادا کرتا ہے اور دوسرا فریق کمپنی ہوتی ہے جو ان قسطوں کے بدلے میں اور ان کی نسبت سے کسی حادثے کی وجہ سے املاک کے نقصان کی تلافی کرتی ہے۔

زندگی کے بیجے، املاک کے بیجے اور ذمہ داریوں کے بیجے کے درمیان جزئیات میں فرق ہے، لیکن ایک بات تینوں میں مشترک ہے اور وہ یہ کہ یہ ایک عقد مالی یعنی مالی لین دین ہے۔ کمپنی بیمہ داروں کی جمع کردہ رقم کو آگے سودی کاروبار میں لگاتی ہے اور سود کی اس رقم سے بیمہ داروں کو بھی حصہ دیتی ہے اور خود بھی لیتی ہے۔

اس عقد مالی میں قسطوں کی رقم اس رقم کے معاوضے اور بدلے میں دی جاتی ہے جس کا وجود بھی معمول اور مشکوک و مشتبہ ہے، اس لیے کہ یہ رقم اس وقت وجود میں آتی ہے جبکہ حادثہ رونما ہو جائے اور حادثے کا وجود صرف ایک احتمالی وجود ہے لہذا اس رقم کا وجود میں آنا بھی ایک احتمالی وجود ہے، حقیقی وجود نہیں ہے۔ اس رقم کا حاصل کرنا بھی مشکوک اور احتمالی ہے، اس لیے کہ جس چیز کا وجود احتمالی اور مشکوک ہو اس کا حصول بھی احتمالی اور مشکوک ہوتا ہے۔

اور اس رقم کی مقدار بھی مجہول اور غیر معلوم ہے، اس لیے کہ نقصان کا اندازہ تو حادثہ واقع ہو جانے کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے۔ اس قسم کے عقیدہ مالی کو بیع غرر کہا جاتا ہے جو ممنوع ہے، اس لیے کہ یہ دراصل جوئے کی ایک شکل ہے۔

”عن ابی ہریرۃ عن ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن بیع الغرر“ طے

(البہرہ طے سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے)

بیع غرر کی بہترین تشریح امام مالکؒ نے اس طرح کی ہے:

”قال ابن وہب قال لی مالکؒ تفسیر ما نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنہ من بیع الغرر ان یعد الرجل الی الرجل قد ضلت راحلته اود ابنته او غلامه وثمان لهذا الاشياء خمسون دیناراً فیتقول انا آخذ ہامناک بعشورین دیناراً فان وجدھا المبتاع ذہب من مال البائع ثلاثین دیناراً وان لم یجدھا ذہب البائع منہ بعشورین دیناراً وھما لیدریان کیف یکون حالھا فی ذالک واذا وجدت تلك الضالۃ کیف توجد وما حدث فیھا من امر اللہ ما یکون فیہ نقصھا او زیادتها فهذا اعظم المخاطر“ طے

(ابن وہبؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے امام مالکؒ نے فرمایا تھا کہ جس بیع غرر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس کی تشریح اس مثال سے ہوجاتی

طے صحیح مسلم فی البیوع باب بطلان بیع الحصاصۃ

طے المدونة الکبریٰ طبع سعادت ۱۳۲۳ھ منلہ ۲ جلد ۴

ہے کہ ایک شخص دوسرے کے پاس جاتے جیسی کا اونٹ یا کوئی اور جانور یا غلام گم ہو گیا ہو۔ ان چیزوں کی قیمت (مثلاً) ۵۰ دینار ہے۔ اس شخص نے یہ گم شدہ اونٹ ۲۰ دینار میں خرید لیا۔ اگر خریدار کو وہ گم شدہ چیز مل جاتی ہے تو اس صورت میں بیچنے والے کو ۳۰ دینار کا نقصان ہوگا اور اگر نہیں ملتی تو بائع کو ۲۰ دینار منفعت میں مل گئے۔ بائع اور مشتری دونوں نہیں جانتے کہ گم شدہ چیز کا کیا حال ہوگا، ملے گی یا نہیں ملے گی اور اگر مل بھی جائے تو پتہ نہیں کس حال میں ملے گی اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اللہ کے حکم سے اس میں کیا کمی بیشی ہوئی ہے یہ بہت بڑا مخاطرہ یعنی بازی لگانا ہے)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بیمہ کمپنیوں کا مروجہ کاروبار قمار اور جئے کا کاروبار ہے جو ممنوع ہے۔ اس کے علاوہ اس میں ربا بھی شامل ہے، اس لیے کہ اگر نقصان کی تلافی کی رقم بیمہ داروں کی قسطوں کی رقم سے زیادہ ہو اور بالعموم زیادہ ہی ہوتی ہے بلکہ کسی گنا زیادہ ہوتی ہے تو یہ اصل راس المال پر جو قسطوں کی شکل میں کمپنی کو دیا گیا تھا اضافہ ہے اور اسی کو ربا کہتے ہیں۔ سود کا یہ پہلو نفس عقد بیمہ میں موجود ہے، درنہ بیمہ داروں کی رقم آگے جو سودی کاروبار میں لگائی جاتی ہیں اور اگر وقت مقررہ تک کوئی حادثہ رونما نہ ہو یا زندگی کے بے کی صورت میں وقت مقررہ تک بیمہ دار کی موت واقع نہ ہوئی تو قسطوں کی رقم جمعہ سود کے واپس کر دی جاتی ہے، اس کا سود ہونا تو ہر ایک کو معلوم ہے، لہذا سودی کاروبار ہونے کی وجہ سے بیمہ کمپنیوں کا موجودہ کاروبار ممنوع ہے۔

ایک اور وجہ اس کاروبار کے ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ اگر بالفرض نقصان کی تلافی کی رقم قسطوں کی رقم کے برابر ہو یا اس سے کم ہو (اگرچہ یہ صورتیں نادر الوجود ہیں) تو یہ نقد کو نقد کے بدلے میں ادھار فروخت کرنا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ”سرنے کو سونے کے بدلے میں اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں

فروخت نہ کرو مگر اس صورت میں فروخت کر سکتے ہو کہ برابر برابر ہوں اور دست بدست ہو۔“

ایک وجہ اس معاملے کے عدم جواز کی یہ بھی ہے کہ قسطوں کی رقم کمپنی کے چھتہ قرض ہے اور نقصان کی تکالیف کی احتمالی اور امکانی رقم بھی اس کے ذمے قرض یعنی واجب الادا ہے۔ جب ان دونوں رقموں کا آپس میں تبادلہ ہوتا ہے تو یہ بیع الدین بالدین یعنی ادھار کا ادھار کے بدلے میں فروخت کرنا ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے:

”عن ابن عمرؓ قال نهى النبي صلي الله عليه وسلم عن بيع الكالئى اے بیع الدین بالدین“ طے

(ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کا ادھار کے بدلے فروخت کرنا ممنوع قرار دیا ہے)

خلاصہ یہ ہے کہ بیمہ کمپنیوں کے موجودہ مروجہ کاروبار میں پانچ خرابیاں موجود ہیں:

- ایک یہ کہ یہ بیع غریبے جو کہ ممنوع ہے۔
- دوسری یہ کہ اس میں قمار اور حوا ہے۔
- تیسری یہ کہ اس کے نفس عقد میں بھی سود موجود ہے۔
- چوتھی یہ کہ بیع الدین بالدین، یعنی ادھار کے بدلے ادھار کا معاملہ ہے۔
- اور پانچویں یہ کہ بیمہ داروں کی رقم سودی کاروبار میں لگائی جاتی ہیں۔

طے مصنف عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ طبع بیروت ۱۹۷۲ء ص ۹ جلد ۸

مصنف ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ طبع کراچی ۱۹۸۶ء ص ۵۹ جلد ۶

سنن کبریٰ للبیہقی ص ۲۹ جلد ۵



انہی وجوہات کی بنا پر مفتی کفایت اللہ مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا مودودیؒ نے بھی بیمہ کی موجودہ شکلوں کو ناجائز قرار دیا ہے۔

## بیمہ کی جائز صورتیں :

اس میں شک نہیں کہ یہ دنیا حادث کی آماجگاہ ہے اور ان حوادث و آفات کی وجہ سے جن لوگوں کی اطاک تباہ ہوئی ہوں ان کے نقصانات کی تلافی ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ باہمی تعاون اور اجتماعی تکافل و تضامن اسلام کے معاشی نظام میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اچھے سے اچھے مقاصد کے لیے بھی اگر غلط اور غیر شرعی طریقے اختیار کیے جائیں تو وہ خیر کی بجائے شر ثابت ہوتے ہیں۔ بیمہ کمپنیوں کے مروجہ سودی اور قماری نظام کی جگہ اگر درج ذیل طریقے اختیار کیے جائیں تو ان شاء اللہ یہ معاشی انصاف اور اجتماعی تکافل کے لیے مفید ثابت ہوں گے اور یہ طریقے شرعاً جائز بھی ہیں :

(۱) بیمہ کمپنیوں کو مشارکہ کمپنیوں میں تبدیل کر دیا جائے اور بیمہ واروں سے حاصل شدہ مشترکہ سرمائے کو نفع نقصان میں شراکت کے شرعی اصول کے مطابق تجارت یا صنعت میں لگایا جائے۔ اس سے جو منافع ہوتا ہو باہمی مشاورت اور رضامندی سے ان کا ایک حصہ اس مشارکہ کمپنی کے حصہ واروں کے نقصانات کی تلافی کے لیے یا ان کے وارثوں کی کفالت کے لیے وقف کر دیا جائے اور

لے کفایت المفتی طبع ملتان ص ۷۶، ۷۷ جلد ۸

امداد الفتاویٰ از مولانا تھانویؒ طبع کراچی، ص ۱۹۰، ۱۹۱ جلد ۳

رسائل و مسائل از مولانا مودودیؒ ص ۳۱۳ جلد ۳

باقی منافع حصہ داروں میں ان کے حصص کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے یا ان کے حصص میں شامل کر دیا جائے (حصہ داروں کی اجازت سے) اگر تجارت میں خسارہ ہو گیا تو اس خسارے کو منافع کے ریزرو حصے سے ہرگز پورا نہ کیا جائے اس لیے کہ وہ رقم تو وقف ہو چکی ہے، بلکہ باقی سرمائے کے تناسب سے خسارے کو تقسیم کر دیا جائے۔ اگر خدا سزا ستم کینی ڈیوالیہ ہو گئی اور اس کا پورا سرمایہ ڈوب گیا تو اس کے لیے حکومت ہنگامی امداد کا انتظام کرے گی، تاکہ کمپنی دوبارہ اپنا کام شروع کر سکے۔

(۲) یا بیمہ کمپنیوں کو مضارب کمپنیوں کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے۔ اس کی صورت بھی مشارکہ کمپنیوں کے درج بالا طریقہ کار کے مطابق ہوگی سوائے اس کے کہ خسارہ کمپنی پر نہیں ڈالا جائے گا، اس لیے کہ اس صورت میں کمپنی مضارب یعنی صرف کاروبار کا نظام چلانے والی اور کام کرنے والی ہوگی۔ سرمائے میں شریک نہیں ہوگی اور کام کرنے والے پر خسارے کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا، البتہ کمپنی باہمی فیصلے کے مطابق منافع میں حصہ دار ہوگی۔ حوادث و آفات کی صورت میں مشارکہ اور مضارب دونوں صورتوں میں ریزرو فنڈ سے، یعنی وقف سے نقصان کے تناسب سے امداد انہی لوگوں کو ملے گی جو معاہدے کی شرائط کے مطابق پابند ہوں اور کمپنی کے حصہ دار ہوں، اس لیے کہ اسلام میں وقف عام بھی جائز ہے اور وقف خاص بھی جائز ہے اور وقف اپنے وقف کردہ مال سے خود بھی استفادہ کر سکتا ہے۔ اس نوع کی کمپنیاں جب ملک میں بڑے پیمانے پر چل پڑیں گی تو موجودہ سوود و تقاریر پر مشتمل بیمہ سے بھی نجات مل جائے گی اور باہمی تکافل کا وسیع پیمانے پر ایک نظام بھی قائم ہو جائے گا۔

(۳) صنعتی اور تجارتی اداروں کے مزدوروں کا بیمہ تقاریر اور ربا کے بغیر بڑی آسانی

سے کرایا جاسکتا ہے کہ کچھ حصہ مزدوروں کی تنخواہ سے کاٹا جائے۔ کچھ حصہ کارخانوں اور اداروں کی جانب سے ڈالا جائے اور کچھ حصہ حکومت اس میں شامل کرے اور اس فنڈ سے مزدوروں کو معذور ہو جانے پر یا بڑھاپے کے وقت امداد دی جائے اور مزدور کے فوت ہو جانے کی صورت میں اس کے وارثوں کی مدد کی جائے۔ باقی رہے سرکاری ملازمین تو ان کے لیے پرائیڈنٹ فنڈ کا طریقہ اب بھی موجود ہے۔

(۴) ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم پیشہ لوگ اپنے پیشے سے تعلق رکھنے والے افراد پر مشتمل امداد و باہمی کی انجمنیں بنائیں۔ ان انجمنوں کے مشترکہ فنڈز ہوں جن میں انجمنوں کے ممبر ماہانہ یا سالانہ کے حساب سے طے شدہ فیصلے کے مطابق عطیات داخل کریں۔ حکومت بھی ان فنڈز میں عطیات جمع کرائے اور عام لوگوں سے بھی امداد کی اپیل کی جائے۔ اس فنڈ سے انجمن کے ممبران کے ان نقصانات کی تلافی کی جائے جو حادثہ اور آفات سماویہ کی وجہ سے ہوتے ہوں۔ ممبران انجمن کے عطیات سے جمع شدہ سرمایہ وقف کی حیثیت سے محفوظ رکھا جائے گا۔ ممبران نے جو عطیے دیے ہوں وہ نقصان کی تلافی کی رقم کا معاوضہ اور بدل نہیں ہوں گے، اس لیے نہ غمزد ہوگا، نہ قمار ہوگا نہ ربا ہوگا اور نہ بیع اللہین باللہین ہوگا، کیونکہ یہ باہمی تعاون کے لیے ایک چندے اور عطیے کی حیثیت سے دیے جائیں گے اور واپس بھی نہیں کیے جائیں گے یہ کوئی مالی کاروبار اور عقد مالی نہیں ہوگا۔ یہ مضاربہ یا مشارکہ کمپنیاں نہیں ہوں گی۔ انجمن کے ممبران کا کاروبار الگ الگ ہوگا، مگر ان کے عطیات و تبرعات سے ایک وقف فنڈ قائم ہو جائے گا جو وقف خاص کے اصول کے مطابق صرف انجمن کے ممبران کی امداد اور تلافی نقصان پر خرچ ہوگا۔

(۵) قتلِ خطا کی ادائیگی اور مقتول کے وارثوں کی معاشی کفالت کے لیے نظامِ معائنہ قائم کیا جاسکتا ہے، بلکہ اس نظام کو حکومت قانوناً بھی قائم کرا سکتی ہے اور اسے قائم کرانا چاہیے! ہم پیشہ افراد کی انجمنیں ایک مشترکہ فنڈ قائم کریں اور طے شدہ شرح کے مطابق اس میں ماہانہ یا سالانہ عطیات جمع کرائیں۔ انجمن کے ممبران کے ہاتھ سے اگر قتلِ خطا سرزد ہو جائے، مثلاً ایک سیڈنٹ کی وجہ سے کسی کی موت واقع ہو جائے، تو اس فنڈ سے مقتول کے قانونی، یعنی شرعی وارثوں کو دیت کے شرعی احکام کے مطابق دیت ادا کی جائے گی۔

اگر قبیلوں اور برادریوں کا منظم نظام موجود نہ ہو تو ہم پیشہ لوگوں کی انجمنیں اور "اہل دیوان" یعنی ایک محکمے سے تعلق رکھنے والے ملازمین کی انجمنیں "عاقلہ" یعنی دیت ادا کرنے والے قرار دی جاسکتی ہیں۔ شریعت اس کی اجازت دیتی ہے۔ مذکورہ ساری انجمنوں کے فنڈز وقف خاص ہوں گے، مگر ممبران کے فیصلے کے مطابق ان کو تجارت میں بھی لگایا جاسکتا ہے جس کے منافع لازماً ان فنڈز میں جمع کرانے ہوں گے۔ ہر کاروانجمن میں تقسیم نہیں کیے جاسکیں گے۔

(۶) مرکزی حکومت ملکی سطح پر بھی ایک فنڈ قائم کرے۔ بجٹ میں اس کے لیے مناسب رقم مختص کرے اور عام شہریوں سے اپیل کرے کہ وہ اس کاربنیر میں حصہ لیں۔ اگر ملک میں بڑے پیمانے پر آفت اور تباہی آگئی ہو تو سرمایہ داروں، صنعت کاروں اور زمینداروں (لیٹل لارڈز) سے مخصوص سب کے ساتھ جبراً اور قانوناً بھی رقم لی جاسکتی ہیں۔ اس حکومتی اور قومی فنڈ سے بغیر کسی علاقائی اور پیشہ ورانہ تخصیص کے ریاست کے شہریوں کے ان نقصانات کی تلافی کی جائے گی جو حوادث و آفات کی زد میں آگئے ہوں۔

(۷) بیمہ کے مقاصد زکوٰۃ و عشر سے بھی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے چھٹے نمبر پر غارین کا ذکر ہوا ہے جو غارم کی جمع ہے غارم کے لغوی اور حقیقی معنی ہیں "من علیہ الدین" یعنی وہ شخص جو مقروض ہو گیا ہو اور قرض کی ادائیگی کی استطاعت نہ رکھتا ہو، لیکن جس شخص کا مال کسی حادثے کی وجہ سے تباہ ہو گیا ہو اور اس پر لوگوں کے قرضے بقایا رہ گئے ہوں یا لوگوں کے قرضے تو اس پر نہ ہوں، لیکن مال کی تباہی کی وجہ سے یہ اپنے گھر کے اخراجات کے لیے قرض لینے پر مجبور ہو گیا ہو تو اس کو زکوٰۃ و عشر کے فنڈ سے اتنی رقم دی جاسکتی ہے کہ جس سے اس کے تباہ شدہ مال کے نقصان کی تلافی ہو جائے اور یہ اپنا روزگار دوبارہ بحال کر سکے۔

عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگردِ خاص حضرت مجاہد بن جبر فرماتے ہیں :

"ثلاثة من الغارمین رجل ذهب السیل بماله ورجل اصابه حریق فذهب بماله ورجل له عیال ولیس له مال فهو یدان وینفق علی عیاله" لے

(تین قسم کے لوگ غارین میں شامل ہیں، ایک وہ شخص جس کے مال کو سیلاب بہا کر لے گیا۔ دوسرا وہ شخص جس کے مال کو آگ نے جلا دیا ہو اور تیسرا وہ شخص جو عیالدار ہو اور اس کے پاس مال نہ ہو، تو وہ لوگوں سے قرض لے کر اپنے اہل خانہ پر خرچ کرتا ہے۔)

سیلاب اور آگ وہ حوادث و آفات ہیں جن کی وجہ سے املاک تباہ ہوتی ہیں۔ ایسے حوادث کے وقت نقصانات کی پوری یا جزئی تلافی زکوٰۃ فنڈ سے کی جاسکتی ہے

مگر زکوٰۃ فنڈ سے نقصانات کی تلافی اسی وقت جائز ہوگی کہ آفت زدہ شخص کا سارا مال تباہ ہو گیا ہو، حتیٰ کہ وہ اپنے گھر کے اخراجات پورے کرنے کے لیے بھی قرض لینے پر مجبور ہو گیا ہو۔ اپنے گھر کے اخراجات پورے کرنے کے قابل بھی نہ رہا ہو، ایسا شخص حکومت سے زکوٰۃ طلب کر سکتا ہے۔

قیصہ بن مغارقؓ کی ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ:

”وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ أَجْتَا حَتَّى مَالَهَ فَعَلَتْ لَهُ الْمَسْئَلَةَ حَتَّى يُصِيبَ قَوْمًا مِنْ عَيْشِ أَدِقَالِ سِدَادِ مَنْ عَيْشٍ“<sup>۱</sup>

(جس شخص پر ایسی آفت آپڑی ہو جس نے اس کا مال مکمل طور پر تباہ کر دیا ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ سے تلافی کا مطالبہ کرنا حلال ہے۔) (حدیث کے سیاق و سباق میں زکوٰۃ کا ذکر ہے) تاکہ وہ اپنی زندگی کی ضرورت پوری کر سکے یا یوں فرمایا تھا کہ اپنی معیشت کے نقصان اور غلغلے کی تلافی کر سکے) حقیقت یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ و عشر کا نظام پوری طرح اور صحیح طور پر نافذ کر دیا جائے تو غارمین، یعنی آفت زدہ لوگوں کے نقصانات کی تلافی بڑی حد تک زکوٰۃ فنڈ سے بھی ہو سکتی ہے اور دوسری وہ چھوٹا بہرحین کاغیس نے ذکر کیا ہے وہ اس کے علاوہ ہیں۔ موجودہ بیمہ کمپنیوں کے سود و خوری کے نظام کی ضرورت ہی نہیں ہے۔



۱۔ نیل الاوطار باب الفارمین کتاب الزکوٰۃ ص ۲۳۵ جلد ۴ طبع بھقان ۱۹۸۳ء  
بحوالہ مسلم، نسائی، ابوداؤد، احمد بن حنبل

## پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگ اکاؤنٹ

سوال: پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگ اکاؤنٹ پر جو نفع دیا جاتا ہے کیا وہ ربا کی تعریف میں آتا ہے؟

جواب: سیونگ اکاؤنٹس کا سسٹم تو عملاً سود ہی پر چل رہا ہے، اگرچہ اس کا نام بدل دیا گیا ہے، لیکن پراویڈنٹ فنڈ کا مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ پرائیویٹ کمپنیوں اور اداروں کے ملازمین کا پراویڈنٹ فنڈ میں لے سنا ہے کہ مزدوروں اور اداروں کے نمائندوں پر مشتمل کمیٹیوں کی تحویل میں ہوتا ہے جو ملازمین اور اداروں کی نمائندہ (وکیل) ہوتی ہیں۔ چونکہ وکیل کا قبضہ شرعاً متوکل کا قبضہ متصوّر ہوتا ہے اس لیے یہ فنڈ ملازمین کے قبضہ اور ملکیت میں آجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قبضہ کے بعد گویا اپنے مملوکہ مال پر سود لینا ہے جو کس طرح حلال ہو سکتا ہے، لیکن سرکاری ملازمین کا جبری پراویڈنٹ فنڈ حکومت کے قبضہ میں ہوتا ہے اور قانوناً ملازم کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ حکومت کے قانون میں بھی یہ فنڈ ملازمین کی ملکیت نہیں سمجھا جاتا، نہ اس پر ٹیکس لگتا ہے اور نہ اس پر کسی اور قسم کے مالی حقوق عاید ہوتے ہیں، اگرچہ ضرورت کے وقت

کچھ شرائط کے ساتھ ملازمین اس فنڈ سے قرض لے سکتے ہیں جو واپس فنڈ میں جمع کرانے ہوں گے۔ یہ فنڈ دراصل ملازمین کی تنخواہوں کا بقایا حق ہے جو حکومت کے ذمے واجب الادا ہے اور وہ اس حق کو طے شدہ شرائط کے مطابق ادا کرے گی، لیکن جب تک اس پر ملازم کا قبضہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک یہ اس کی ملکیت میں نہیں آتا۔ صرف حق کی حیثیت سے حکومت کے ذمے بقایا ہوتا ہے۔ حکومت ملازم کو ادائیگی کے وقت اس کی تنخواہ کے باقی حصے پر جو اضافی رقم دیتی ہے وہ ربا کی تعریف میں نہیں آتی۔ اس لیے کہ ربا تو قرض پر اضافے کو کہتے ہیں جبکہ بطور شرط و معاہدہ لیا جائے اور یہ رقم جب ملازمین کی ملکیت ہی میں نہیں آئی تو قرض دینے اور اس پر سود وصول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ ملازم نے قرض دیا ہے اور نہ اس پر اضافہ وصول کیا ہے۔ حکومت اگرچہ اسے سود کا نام دیتی ہے، لیکن جس طرح کہ سود کو غیر سودی نام دے کر حلال نہیں کیا جاسکتا اسی طرح عطیے اور امداد کو سود کا نام دے کر حرام نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اضافی رقم دراصل حکومت کی طرف سے ایک عطیہ اور اعانت ہے جس کو سود کا نام دیا جا رہا ہے۔ یہاں پر ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے اور اسی سوال کی وجہ سے بعض بزرگوں نے اس اضافی رقم کو اعانت کے بجائے تنخواہ ہی کا ایک حصہ کہا ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ عطیہ اور اعانت تو تبرع اور احسان ہوتا ہے جسے قانوناً عدالت کے ذریعے جبراً وصول نہیں کیا جاسکتا، لیکن ملازمین اس اضافی رقم کو بھی حکومت سے عدالت کے زور پر وصول کرنے کا حق رکھتے ہیں، مگر اس کا جواب یہ ہے کہ حکومت جب کسی کے لیے اعانت کا اعلان کرے اور اس کے لیے قواعد و ضوابط بنا دے تو اس پر وہ اعانت اور امداد واجب الادا ہو جاتی ہے، البتہ عام شہری اگر کسی کے



ساتھ امداد کا وعدہ کیلئے تو اخلاقاً اس کا پورا کرنا ضروری ہے مگر عدالت اسے مجبور نہیں کر سکتی، اگرچہ امام مالکؒ کے نزدیک عدالتیں عام شریوں کو بھی ایفائے عہد پر مجبور کر سکتی ہیں، اَلَّا يَهْدِيَهُمْ رَبُّهُمْ سُبُلَ الْبَغْيِ، مگر مجبور کا مسلک یہی ہے کہ عدالتیں مجبور نہیں کر سکتیں، اس لیے کہ یہ حقوق العباد نہیں ہیں، بلکہ احسانات اور تبرعات عام ہیں اور عدالتوں کا کام حقوق دلوانا ہے۔ جن حضرات نے اس اضافی رقم کو تنخواہ کا حصہ قرار دیا ہے ان کی بات میں بھی وزن ہے، اس لیے کہ جب ملازمت پر تقرری کے وقت یہ طے ہوتا ہے کہ اتنی رقم اصل تنخواہ سے کاٹی جائے گی اور مخصوص تناسب سے کچھ رقم حکومت بھی اس میں اپنی طرف سے جمع کرے گی تو گویا یہ اضافی رقم بھی تقرری کے وقت سے ملازم کی تنخواہ میں شامل ہو گئی ہے۔ فریقین کو اس کا علم بھی ہے اور دونوں اس پر راضی بھی ہیں۔ جس طرح چیزوں کی قیمت معجل بھی ہو سکتی ہے اور مؤجل بھی ہو سکتی ہے، اسی طرح اجیر کی اجرت بھی معجل اور مؤجل دونوں طرح طے کی جا سکتی ہے۔ تو گویا اصل تنخواہ سے کاٹی گئی رقم اور حکومت کی طرف اضافی رقم دونوں کا مجموعہ ملازم کی اجرت کا ایک حصہ ہے جو مؤجل ہے۔

کسی کے ذہن میں یہ سوال بھی آ سکتا ہے کہ ملازم کے کھاتے میں جب اس کا پراویڈنٹ فنڈ لکھ دیا جاتا ہے تو گویا یہ اس کا قبضہ ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ قبضے کے معنی میں تصرف کی آزادی اور کھاتے میں لکھنے سے ملازم کو اس فنڈ میں تصرف کا اختیار نہیں مل سکتا۔ کھاتے میں تو محض حسابات درست رکھنے کے لیے رقم یا شرط لکھی جاتی ہے تاکہ ادائیگی کے وقت حساب فہمی میں آسانی ہو اور ملازم کا استحقاق یقینی ہو جائے۔

ایک اور سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے کہ حکومت اس فنڈ کو سودی کاروبار

میں لگاتی ہے، لیکن اس لحاظ سے تمام اشیاء میں بالواسطہ طور پر سود موجود ہے۔ بالواسطہ سود میں تو پوری قوم گرفتار ہے۔ اسی لیے تو ہم اس سودی نظام کی اصلاح کے لیے کوشاں ہیں، مگر ملازم نے براہ راست سود تو نہیں لیا، البتہ اگر ملازم نے درخواست دے کر ادھر کوشش کر کے اپنا پراویڈنٹ فنڈ بیکر کینی یا کسی اور مستقل کمیٹی کو منتقل کر دیا ہو تو یہ منتقل کرانے کا تصرف ایسا ہی ہے جیسے اُس نے خود وصول کر کے کینی یا کمیٹی کو دے دیا ہو۔ کینی یا کمیٹی چونکہ وکیل کی حیثیت رکھتی ہے اور وکیل کا قبضہ مکمل کا قبضہ شمار ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں اضافی رقم سود متصور ہوگی، اس لیے کہ ملازم نے گویا قبضہ لینے کے بعد رقم سود پر کینی یا کمیٹی کو دی ہے۔ باقی رہا مسئلہ اختیاری پراویڈنٹ فنڈ کا جو ملازم نے اپنی مرضی سے جبری فنڈ کے علاوہ کٹوایا ہو تو اس پر اضافی رقم لینا عین ربلہ تو نہیں ہے، اس لیے کہ کٹوانا حقیقی قبضہ نہیں ہے، بلکہ حکماً قبضہ ہے کہ اگر یہ نہ کٹوانا تو وصول کر سکتا تھا۔ اس قبضہ حکمی کی وجہ سے اختیاری پراویڈنٹ فنڈ پر اضافہ لینا شبہ ربلہ اور ذریعہ ربا ہے اس لیے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

مفتی کفایت اللہ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی جبری پراویڈنٹ فنڈ پر دی جانے والی زائد رقم کو جائز قرار دیا ہے۔

## انعامی بانڈ

سوال: کیا انعامی بانڈوں پر یا سیونگ اکاؤنٹ پر یا کسی اور سکیم پر دی جانے والی رقم لبا کی تعریف میں آتی ہے؟

سوالہ کفایت المفتی ص ۹۲، جلد ۸، امداد الفتاویٰ ص ۱۴۹ جلد ۳

جواب: سیونگ اکاؤنٹ کا نظام جو مروج ہے وہ تو سود پر مشتمل ہے اور دوسری سکیم کی تشریح نہیں کی گئی کہ جواب دیا جاسکے۔ باقی رہے انعامی بانڈز تو تھمرا اور جوہا ہے جسے انعامی بانڈز کا نام دے دیا گیا ہے۔ فقہ کا یہ قاعدہ پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ عقود میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے صرف الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

عبداللہ بن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ:

” ان المفاطرۃ من القار“ لہ

(بازی لگانا اور رقم کو داؤ پر لگانا جوا ہے)

انعامی بانڈوں اور مہمہ بازیوں کا طریقہ مخاطرے میں شامل ہے، اس لیے جوا ہے اور حرام ہے۔



لہذا احکام القرآن لمبصص ص ۳۸۸ ج ۱

WWW.KITABOSUNNAT.COM

## تجارتی قرضے اور غیر تجارتی قرضے

سوال: کیا اسلامی قانون کے تحت تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کرنا درست ہے؟ اس طرح کہ تجارتی قرضوں پر سود لیا جائے اور غیر تجارتی قرضے بلا سود ہوں؟  
جواب: نہیں جناب کوئی امتیاز نہیں ہے۔ ہر قسم کے قرضوں پر سود دینا اور لینا حرام ہے۔  
دلائل درج ذیل ہیں:

اس سوال کی کوئی قانونی اہمیت نہیں ہے کہ کیا عربوں میں نزول قرآن کے وقت تجارت کے لیے لیے گئے قرضوں پر سود لیا جاتا تھا یا نہیں اور کیا تجارت کے لیے لوگ قرض لیتے تھے یا نہیں؟ اصل اہمیت قانون کے متن کو حاصل ہوتی ہے۔ دنیا کی کسی بھی عدالت کے سامنے جب ایسا تحریری قانون پیش کیا جائے جس کے متن کے الفاظ عام ہوں اور ان عام الفاظ کے بعد کوئی فقرہ شرطیہ، فقرہ استثنائیہ یا کوئی تشریحی فقرہ موجود نہ ہو اور مجموعہ قوانین میں کوئی دوسری دفعہ بھی اس عام قانون میں تخصیص و استثناء کرنے والی موجود نہ ہو تو عدالت اسے عام ہی قرار دے گی اور جس پر بھی یہ قانون صادق آتا ہو اس پر منطبق کرے گی۔ اگر عدالت یا عدالت کے سامنے بحث کرنے والا کوئی دلیل بنیہ کسی قانونی دلیل کے محض اپنی صوابدیدی رائے یا خواہش کی بنا پر اس عام اور

واضح قانون میں تخصیص کرے گا، تو یہ قانون کی تعبیر نہیں ہوگی، بلکہ یہ نئی قانون سازی ہو گی۔ یا بالفاظ دیگر قانون میں تعریف و ترمیم ہوگی۔ میرے خیال میں یہ فلسفہ قانون کا ایسا نکتہ ہے جسے عقل عام تسلیم کرتی ہے۔ اب آئیے اس مسئلہ قاعدے کی روشنی میں زیر بحث مسئلے پر غور و فکر کریں :

## عام کی تعریف :

عموم کے معنی میں شمول اور لفظ عام کی فقہی تعریف اس طرح کی گئی ہے :

” هو اللفظ الذي يستغرق جميع ما يصلح له من الاقراء “ لہ

(عام وہ لفظ ہے جو ان تمام افراد و اقسام کو شامل ہو جو اس کے مفہوم میں

شامل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں)

یعنی جن پر عام کا مفہوم منطبق ہو سکتا ہو۔ عربی زبان میں لفظ عام کی تقریبات

قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم ان الفاظ کی ہے جن کے حقیقی معنی میں عموم و شمول موجود ہوں مثلاً کل، جميع، عامة، كافة اور قاطبة وغیرہ اور دوسری قسم وہ لفظ مفرد ہے جس پر الف لام استغراقی داخل ہوا ہو۔

عام کی اس تعریف کی روشنی میں حرمتِ ربا کی نصوص (متن قانون) پر غور کرنا چاہیے تاکہ قانون نافذ کرنے والے کی مراد متعین ہو سکے :

” اَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الزَّيْبَ “

( اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام کیا ہے ) لہ

لہ اصولِ شرعی ص ۱۲۵ جلد ۱ لہ اصولِ شرعی ص ۱۵۱ جلد ۱

لہ سورہ البقرہ آیت ۲۷۵

” وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا “

(اور چھوڑ دو جو بھی باقی ہو رہا میں سے)

” فَلْيَسِّرُوا مَوَازِينَكُمْ “

” پس ملیں گے تم کو تمہاری اصل مال)

پہلی دو آیتوں میں لفظ الربا مفرد ہے جس پر الف لام استغراقی داخل ہوا ہے اور اس کے معنی ہیں کہ ربا کا شرعی مفہوم (جس کا تعین سوال نمبر ۱ کے جواب میں کر دیا گیا ہے) جن قسموں پر صادق آتا ہو وہ سب حرام ہیں۔ اور تیسری آیت میں صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ تمہارا حق صرف اس المال ہے، یعنی اصل رقم جو دی گئی تھی۔ ان آیات کے متن پر غور کرنے سے بغیر کسی بیرونی تشریح کے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ہر قسم کے قرض پر سود لینا حرام ہے، خواہ تجارتی قرض ہو یا صرنی قرض ہو۔ اسی طرح نکتہ قرض جبراً نفعاً فہو دبا کا حوالہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ اس میں بھی لفظ کل کے معنی ہیں ہر قرض اور نفع کا لفظ بھی مطلق ہے خواہ سود مفرد ہو یا سود مرکب ہو۔

ان واضح اور صریح نصوصِ عامہ کے ہوتے ہوئے کسی کا یہ کہنا کہ تجارتی قرضوں پر سود جائز ہے اور یہ لائینی بحث چھیڑنا کہ عربوں میں تجارتی قرضوں کا رواج تھا یا نہیں اور ان پر سود لیا جاتا تھا یا نہیں کہاں تک قابلِ توجہ ہو سکتا ہے اس کا فیصلہ فاضل عدالت بڑی آسانی سے کر سکتی ہے۔

سوال نمبر ۱ کے جواب میں ربا کی تعریف کے سلسلے میں جو روایات نقل کی گئی ہیں ان میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ لوگ قرض پر سود لیتے تھے۔ یہ کسی ایک روایت میں

سورہ البقرہ آیت ۲۷۸ ۲۷۹ سورہ البقرہ آیت ۲۷۹

بھی نہیں آیا کہ یہ تجارتی قرضے نہیں تھے، بلکہ ذاتی ضرورت کے قرضے تھے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ تجارتی قرضے سرے سے مروج ہی نہیں تھے ثبوت پیش کرنا ان کے ذمے ہے۔ صرف نہیں کہہ دینا تو ثبوت نہیں ہے۔ ہم نے تو عمومی آیات و احادیث پیش کر دی ہیں جن میں مطلق قرض پر سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اب اگر کوئی ان میں تخصیص و استثناء کا دعویٰ کرتا ہے تو کوئی آیت یا کوئی صحیح الاسناد حدیث پیش کرے جس میں تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کیا گیا ہو۔ اگرچہ تجارتی اور غیر تجارتی دونوں قسم کے قرضوں پر سود کی حرمت کے قائلین پر قانوناً اور اصولی بحث کے مطابق یہ ثبوت پیش کرنا ضروری نہیں ہے کہ عربوں میں نزول قرآن کے وقت تجارتی قرضے بھی مروج تھے اور ان پر سود لینا بھی مروج تھا، لیکن پھر بھی چند روایات پیش کی جاتی ہیں جن سے تجارتی اور کاروباری قرضوں کا ثبوت ملتا ہے اور جن پر سود بھی لیا جاتا تھا۔

مثلاً :

(۱) قال الضحاک کان رباً یتباعیون بہ فی الجاہلیۃ فلما اسلموا  
أمروا ان یأخذوا رؤس اموالہمۃ ۱۰

(ضحاک بن مزاحمؓ) تابعی فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے دور میں لوگ سودی خرید و فروخت یعنی کاروبار کرتے تھے۔ جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان کو حکم دیا گیا کہ صرف اصل رقم ہی وصول کرو

(۲) ابن جریر نے ذہد و ما بقی من الربا کی شان نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

عن السدی قال نزلت ہذہ الآیۃ فی العباس بن عبدالمطلب

۱۰ تفسیر ابن جریر ص ۱۰ ج ۳، تفسیر درمنثور ص ۱۸ جلد ۲ و فیہ یتعاملون

ورجل من بنی المغیرۃ کان شریکین فی الجاہلیۃ سلفاً فی الترابا الی  
 أناس من ثقیف من بنی عمرو بن عمیر فجاہد الاسلام ولہم اموال  
 عظیمة فی الترابا فانزل اللہ وذرہا ما بقی من الترابا۔ لہ

(سُدی کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عباسؓ اور بنو مغیرہ کے ایک شخص کے  
 بارے میں نازل ہوئی تھی جو زمانہ جاہلیت میں کاروبار میں شریک تھے۔  
 انہوں نے بنو ثقیف قبیلے کی ایک شاخ بنو عمرو کو سودی قرض پر مال دے  
 رکھے تھے۔ جب اسلام کا دور آیا (اور سود حرام کر دیا گیا) تو ان کا بہت  
 سامان سود میں لگا ہوا تھا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت  
 نازل فرمائی کہ چھوڑ دو جو بھی بقایا ہے سود میں سے)

اس روایت میں دو تاجروں کے اُس سودی قرضے کا ذکر ہے جو انہوں نے بنو عمرو  
 قبیلے کو دے رکھا تھا اور یہ بہت زیادہ مال تھا جو بنو عمرو کے ذمے بقایا تھا۔

(۳) ابن جریر نے ابن جریجؒ سے نقل کیا ہے کہ بنو عمرو بھی بنو مغیرہ کو سودی قرضے دیا  
 کرتے تھے،

”وكانت بنو عمرو بن عمير بن عوف يأخذون الترابا من بنی المغیرۃ و  
 كانت بنو المغیرۃ یؤتوون لہم فی الجاہلیۃ فجاہد الاسلام ولہم علیہم  
 مال کثیر فاناہم بنو عمرو ویطلبون رباہم فابی بنو المغیرۃ ان یطوہم  
 فی الاسلام ورفعوا ذانک الی عتاب بن اسید فکتب عتاب الی  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ یأیہا الذین آمنوا  
 اتقوا اللہ وذرہا ما بقی من الترابا الی قولہ ولا تظلمون فکتب

سُدی تفسیر ابن جریر طبع مصر ۱۹۵۳ء ص ۱ جلد ۲



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی عتابؓ وقال ان رؤسوا را اذ  
فاذ نهد بصرہ پ۔ لے

(دور جا بلیت میں بنو عمرو اور بنو مغیرہ کے درمیان سودی قرضوں کا لین دین  
تھا۔ جب اسلام کا دور آیا تو بنو عمرو کا بنو مغیرہ پر بہت سامان واجب الادا  
تھا چنانچہ بنو عمرو بنو مغیرہ کے پاس آئے اور ان سے سو وک بقیایا طلب  
کیا۔ بنو مغیرہ نے اسلام کے دور میں سود دینے سے انکار کر دیا (دونوں  
قبیلے مسلمان ہو گئے تھے) بنو عمرو کو مکہ کے امیر عتاب بن اسید کے پاس  
اپنا دعویٰ لے کر گئے۔ حضرت عتابؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو  
خط لکھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اے وہ لوگو جو ایمان لاتے ہو اللہ  
کا خوف کرو اور جو بھی بقیایا ہے سو وک اسے چھوڑ دو، الایہ کہ اصل رقم تمہارا  
حق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت لکھ کر عتاب کو بھجوا دی  
اور ساتھ یہ بھی لکھا کہ اگر یہ لوگ سو وک چھوڑنے پر راضی ہوں تو بہت اچھا  
ورنہ ان لوگوں کو جنگ کا الٹی میٹم دے دو)

شانہ نزدل سے متعلق ابن جریر رضی کی درج بالا دونوں روایتوں کو مل کر پڑھنے سے  
معلوم ہوتا ہے کہ بنو عمرو کو بنو مغیرہ سودی قرض دیتے تھے اور دونوں کا مال کثیر ایک  
دوسرے کے ذمے تھا۔ اگر یہ تجارتی قرضے نہیں تھے تو کیا مال کثیر کا مالک گھریلو اخراجات  
کے لیے اتنی بڑی رقم قرض لیا کرتا ہے؟ حقیقت یہی ہے کہ یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے  
کو تجارتی قرضے دیا کرتے تھے اور ان پر سود دیا اور لیا کرتے تھے اور اسی کے بارے  
میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ چھوڑ دو جو بھی باقی ہو سود۔ جب آیت کا نزول ہی تجارتی  
قرضے ہیں تو ان کو اس آیت کے حکم سے خارج کیسے کیا جاسکتا ہے؟

لے تفسیر ابن جریر ص ۱۰ جلد ۲

ابن جریر نے عکرمہ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ بنو عمرو کے جو افراد بنو مغیرہ کو سودی قرض دیتے تھے اور ان سے سودی قرض لیتے تھے ان میں مسعود ثقفی، عبدیالہ، حبیب اور ربیعہ بھی شامل تھے۔

یہ نام بنو ثقیف کے سرداروں کے ہیں جو نادر اور صہب کے لوگ نہیں تھے، بلکہ مالدار لوگ تھے۔ ان کی مالداری کا ثبوت تو درج بالا روایت میں مال کثیر کے لفظ سے بھی ملتا ہے، لیکن عکرمہ نے چند نام بھی بتا دیے ہیں جو طائف کے سرداروں کے نام ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا مودودی نے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۱۹۳۵ء کے ایک مضمون (ینکس) کے حوالے سے اور ایک دوسری مستند کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ جزیرہ العرب کے آس پاس کے ملکوں، یعنی عراق، مصر، شام، یونان اور روم میں تجارتی، صنعتی اور ریاضتی اغراض کے لیے دیے گئے قرضوں پر سود لیا اور دیا جاتا تھا اور ان ممالک کے ساتھ عربوں کے تجارتی تعلقات قائم تھے، تو یہ کیسے فرض کر لیا گیا کہ عرب تجارتی قرضوں پر سود سے باخبر ہی نہیں تھے۔

## بچت پر ابھارنے اور کفایت شعاری کے محرکات

سوال: اگر سود کو قطعی طور پر حرام کر دیا جائے تو اسلامی نظام معیشت میں لوگوں کو بچت پر ابھارنے اور سرمایہ کے استعمال میں کفایت شعاری کی ترغیب دینے کے لیے کون سے محرکات استعمال کیے جائیں گے؟

جواب: تجارتی نفع کے ذریعے لوگوں کو بچت پر ابھارا جائے گا۔ اگر حرام نفع محرک بن سکتا ہے تو حلال نفع کیوں محرک نہیں بنے گا! باقی رہا خسارے کا خطرہ جو سود

سہ ابن جریر ص ۱ جلد ۳ سہ سود، ص ۲۸۳ تا ۲۹۰ طبع ۱۹۹۰ء

میں نہیں ہوتا تو پہلی بات تو یہ ہے کہ تجارت میں خسارے کا خطرہ نادر اور قلیل الوقوع ہوتا ہے اور نفع کی اُمید زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مارکیٹ میں بند ہو جاتیں۔ اس لیے خسارے کے نادر الوقوع خطرے کی وجہ سے لوگ اپنی بچتیں کاروبار میں لگانے سے اتنے خوفزدہ نہیں ہوں گے۔ آج بھی ہمارے معاشرے میں لاکھوں لوگ ایسے ہیں جو تجارت کرنا چاہتے ہیں، لیکن ان کے پاس اتنا زیادہ سرمایہ نہیں ہے کہ وہ اس سے کاروبار شروع کر سکیں۔ اگر ان کے سامنے بنکاری کا ایسا طریقہ موجود ہو جس پر وہ اپنی تھوڑی سی بچت کو بھی تجارت میں لگا سکیں، یعنی مضاربہ یا مشارکہ کا طریقہ تو وہ ضرور بچت کر کے اس کاروبار میں حصہ لیں گے اور خسارے کا امکان ان کو خوفزدہ نہیں کرے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ نفع نقصان میں شراکت کا نظام معاشی توازن قائم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اسی توازن کو قائم کرنے کے لیے تو ہم سود ختم کرنا چاہتے ہیں۔

### ٹیکس لگانے کا مسئلہ :

سوال: کیا اسلامی حکومت اپنی رعایا پر زکوٰۃ و عشر کے علاوہ کوئی اور ٹیکس لگا سکتی ہے؟  
جواب: اس موضوع پر میں نے ایک تحریر فاضل عدالت کی خدمت میں پہلے ہی بھیج دی ہے۔



WWW.KITABOSUNNAT.COM

## بین الاقوامی سودی معاہدے

نفاذ شریعت ایکٹ ۱۹۹۱ء کی دفعہ ۱۸ کا عنوان ہے: "بین الاقوامی مالی ذمہ داریاں" اور اس کے متن کا اردو ترجمہ یہ ہے:

"اس ایکٹ میں شامل ہر جزو یا عدالت کے فیصلے کے باوجود جب تک کہ متبادل اقتصادی نظام نافذ نہیں کر دیا جاتا موجودہ مالی ذمہ داریاں اور قومی اداروں اور غیر ملکی اداروں کے درمیان کیے جانے والے معاہدے برقرار، قانونی، واجب العمل اور جاری رہیں گے۔"

تشریح:

"اس سٹن میں قومی ادارے کی تشریح کے طور پر ایسے تمام دفاتی اور صوبائی ادارے، قانونی کارپوریشن کمپنیاں، ادارے، باڈی انٹرنیشنل یا پاکستان کا کوئی شخص اور غیر ملکی ایجنسی کی اصطلاح میں بیرونی حکومت، غیر ملکی مالیاتی ادارہ، غیر ملکی کیپٹل مارکیٹ جس میں بینک یا کوئی غیر ملکی قرضہ جاری کرنے والی کمپنی بشمول فروڈ یا حد اور مال مہیا کرنے یا خدمات ادا کرنے والا شخص۔"

اس دفعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ تبادلہ اقتصادی نظام نافذ ہو جانے تک سودی معاہدے آئندہ بھی ہوتے رہیں گے اور ان کے مطابق سودی لین دین بھی جاری رہے گا اور اب تک کیے گئے معاہدوں کے مطابق عاید شدہ سود بھی ادا کر دیا جائے گا۔ سود کے اس بین الاقوامی لین دین پر نفاذ شریعت ایکٹ کے کسی جز یا کسی بھی عدالت کے فیصلے کا کچھ بھی اثر نہیں پڑے گا، یعنی یہ قرآن و سنت کی بالادستی سے آزاد و مستثنیٰ ہوگا۔ میری رائے میں یہ دفعہ بھی قرآن و سنت کے قطعی اور واضح احکام کے خلاف ہے جس طرح کہ اس ایکٹ کی دفعہ ۳ (۲) دفعہ ۱۹، دفعہ ۲۰، دفعہ ۲۱ قرآن و سنت کے احکام کے خلاف ہیں۔ ان میں سے دفعہ ۳ (۲) اور دفعہ ۱۹ کو یہ موقر عدالت ۱۲ مئی ۱۹۹۳ء کو خلاف اسلام قرار دے چکی ہے۔

### بین الاقوامی ربا کے بارے میں متنفع طلب امور :

- (الف) کیا ربا صرف اسلامی ریاست کے شہریوں پر حرام ہے یا اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان بھی سودی معاملات حرام ہیں ؟
- (ب) کیا سودی معاہدوں کی کوئی شرعی حیثیت ہے اور کیا اسلام نے ایسے معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے یا انہیں توڑ دینے کا حکم دیا ہے ؟
- (ج) کیا اندرون ملک یا بیرون ملک سودی معاہدوں کی وجہ سے عاید شدہ سود ادا کرنا شرعاً جائز ہے ؟
- (د) اگر سود مطلقاً حرام ہے اور سودی معاہدے بھی مطلقاً حرام ہیں تو کیا ان کو قرآن و سنت کی بالادستی سے مستثنیٰ کرنا کسی مسلمان کے لیے جائز ہے جبکہ تبادلہ اقتصادی نظام چودہ سو سال پہلے حاکم حقیقی اور مقتدرِ اعلیٰ نے نافذ کر دیا ہے اور قیامت تک نافذ رہے گا ؟

میں اپنی گفتگو اور نکات استدلال کو ان چار بنیادی سوالات کے حل کرنے تک محدود رکھوں گا۔

الف) قرآن و سنت کی نصوص قطعیہ بیا کو مطلقاً حرام قرار دیتی ہیں۔ ان نصوص میں ملکی اور غیر ملکی، مسلم ریاست اور غیر مسلم ریاست، شخصی و انفرادی اور اجتماعی و ادارتی کا کوئی اشتنا موجود نہیں ہے۔ ۱۳ نومبر ۱۹۹۱ء کو اس منوثر عدالت شرعیہ نے جو تاریخی فیصلہ دیا ہے اس میں ربا کی قطعی اور عمومی حرمت کے دلائل موجود ہیں۔ یہ فیصلہ پاکستان کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا، اگرچہ وہ مادہ پرستوں اور سیکولرسٹوں کو ناگوار گزرے گا۔ دنیا کی حکومت اس فیصلے پر عمل کرتی ہے یا اس کو پس پشت ڈالتی ہے، یہ اس کے ایمان و اسلام کا ایک امتحان ہے، لیکن مجھے امید ہے کہ حاکم حقیقی کی عدالت میں اس تاریخی اور انقلابی فیصلہ کرنے والے قاضیوں کو وہی اجر ملے گا جس کا وعدہ تمسطلین کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیا ہے: "ومن اوفیٰ بعهده من اللہ" اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے، کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔

اس فیصلے کے ضمیمہ الف میں سوال نمبر ۷ کے جواب میں میں نے اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان سووی لین دین کی حرمت پر تفصیلی بحث کی تھی، مگر اس میں احادیث کا حوالہ مشکہ کے معروف و مسلمہ ہونے کی وجہ سے نہیں دیا گیا تھا۔ اس عرضداشت میں آیات کا حوالہ اجمالاً اور احادیث کا حوالہ تفصیلاً پیش کیا جا رہا ہے۔ آیات کا تفصیلی حوالہ اس لیے نہیں دیا جا رہا کہ ۱۳ نومبر ۱۹۹۱ء کے فیصلے کے ضمیمہ الف میں سوال نمبر ۷ کے جواب میں یہ تفصیل پہلے سے موجود ہے۔

## حُرمتِ ربا کے بارے میں قرآنی آیات عام ہیں :

قرآنِ کریم میں ربا کی مذمت اور حُرمت کے بارے میں نکل ۱۰ آیات آئی ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے :

سورة الروم - آیت نمبر ۳۹

سورة النساء - آیت نمبر ۱۶۱

سورة آل عمران - آیت نمبر ۱۳۰

سورة البقرة - آیات نمبر ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱

ان آیات میں بقول ابن عباسؓ آخری آیات جن میں کئی عمومی اور عمومی طور پر ربا کو حرام قرار دیا ہے۔ سورة البقرہ کی آیات ہیں۔ ان میں اَهْلُ اِلٰهٍ اَلْبَيْتِ وَحَرَّمَ الرِّبَا كَاطْلُقِ فِیْصَلْ دے دیا گیا ہے کہ ہر قسم کی تجارت حلال ہے، ہر مسلمان کے لیے حلال ہے اور ہر جگہ حلال ہے اور ہر قسم کا ربا حرام ہے۔ حوام کے لیے بھی حرام ہے اور محکموں کے لیے بھی حرام ہے۔ اپنے ملک میں بھی حرام ہے اور دوسرے ملکوں میں بھی مسلمانوں کے لیے حرام ہے۔ ذاتی کاروبار میں بھی حرام ہے اور قرضی و حکومتی کاروبار میں بھی حرام ہے۔ تنصیص و تعقید اور استثنا کا کوئی ادنیٰ اشارہ تک اس حکمِ قرآنی میں موجود نہیں ہے۔

ان آیات میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ حُرمتِ ربا کا حکم آنے کے بعد بھی جو لوگ سودی معاہدے اور سودی لین دین جاری رکھتے ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے۔

"وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ - وَمَنْ عَادَ كَالْفُحَّامِ عَادَ" اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمودہ ہے کہ جو لوگ سودی لین دین کرتے ہوں یا مسلمانوں کی حکومتوں اور ادارے اس جرم کا ارتکاب کرتے ہوں یا مسلمانوں کے ساتھ سودی کاروبار کرتے ہوں یا غیر مسلموں کے ساتھ مسلم ریاستوں کے ساتھ ایسے معاہدے کرتے ہوں یا غیر مسلم ریاستوں کے ساتھ سب کے لیے حکم یہ

ہے کہ ایسے لوگ دوزخ میں جائیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں بھی مسلمان رہتے ہوں ان سب کو بلا امتیاز حکم دیا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو سود کا بقایا چھوڑ دو :

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّعَلَّوْا اللَّهَ فَرِّدُوا مَا بَيْنِي مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ مَنِينَ“ اسی طرح قرآن کریم نے سود کو ظلم کہا ہے، ”لَا تَظْلُمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ“ اور ظلم ہر جگہ ظلم ہوتا ہے اور جو بھی ظلم کرے یا ظلم سے تعاون کرے وہ ظالم ہوتا ہے خواہ فرد ہو یا حکومت۔ اسلامی ریاست کا فرض منصبی سود کو مٹانا اور غیر سودی معیشت کا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے۔ جب یہ خود سودی معاہدے کرتی ہو تو دنیا کے سامنے اسلام کے معاشی نظام کی شہادت کس طرح پیش کر سکے گی؟ دنیا تو اسے یہی کہے گی کہ ”بَلَا تَعْمَلُونَ مَالًا لَّتَفْعَلُونَ“ (وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔)

### حُرْمَتِ رِبَا كَيْفَ بَارَسَ فِي احَادِيثِ نَبَوِيَّةٍ

ربا کی حرمت، مذمت اور..... وعید شدید کی..... احادیث بہت زیادہ ہیں؛ مگر ان میں سے چند منتخب احادیث پیش کی جا رہی ہیں جو سند کے اعتبار سے صحیح اور مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں جن کے عموم سے بین الاقوامی ربا کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے۔

”عن ابی ہریرۃ عن النبی قال اجتنبوا البیع المویقات قالوا یا رسول اللہ وما هن؟ قال الشرك بالله والسحر وقتل النفس التي حرم الله الابالحمق واكل الربا واكل مال الیتیم والتولی یوم النحر وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات“۔

سلف صحیح بخاری کتاب الوصایا باب قول اللہ الزین یا کون اموال الیتامی ظلماً۔ صحیح بخاری کتاب الطب باب الشرك والبس من المویقات۔ صحیح بخاری کتاب المحاربین باب رمی..... المحصنات



(ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ سات تباہ کن گناہوں سے دور رہو۔ صحابہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول، یہ تباہ کن گناہ کون سے ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، اس نفس کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہو مگر حق کے ساتھ، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، اس دن پیٹھ پھیرنا جب دشمن کے لشکر کا سامنا ہو اور ان پاک دامن مسلمان عورتوں پر برہ کاری کی تمہمت لگانا جو برہ کاری سے بے خبر ہوں۔)

(۲) "عن سمرۃ بن جندبؓ فی حدیث روایا النبی صلی اللہ علیہ وسلم الطویل حتی اتینا علی نهر من دم (وفی روایة کتاب التصیر احمر مثل الدم) فیہ رجل قائم (وفی روایة کتاب التصیر رجلٌ سابعٌ یسبح) وعلی وسط النہر قال یزیدؓ و وہب بن جریر عن جریر بن حازم وعلی شط النہر رجل بین یدیه حمارۃ فاقبل الرجل الذی فی النہر فاذا اراد ان یشرج رمی الرجل بحجر فی فیہ فرودۃ حیث کان فجعل کلما جاء یشرج رمی فی فیہ بحجر فیرجع کما کان فقلت ما هذا؟ قال انطلق..... والذی رایتہ فی النہر آکلوا الربا" لہ

(سمرہ بن جندبؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خواب سے متعلق طویل حدیث میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا خواب بیان

لہ صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ما قبل فی اولاد المشکین رقم الحدیث ۱۳۲۰

صحیح بخاری کتاب البیوع باب اکل الربا رقم الحدیث

صحیح بخاری کتاب التصیر باب تعبیر الروایا بعد صلوة الصبح رقم الحدیث ۶۶۴۰

کہتے ہوئے فرمایا "یہاں تک کہ ہم خون کی ایک نہر (دریا) پر پہنچے جس میں ایک شخص کھڑا تھا (دوسری روایت میں آیا ہے کہ تیر رہا تھا) اور نہر کے کنارے پر ایک دوسرا شخص تھا جس کے سامنے پتھر پڑے تھے۔ جو شخص خون کی نہر میں تھا۔ وہ نکلنے کے لیے سامنے سے آتا اور جب نکلنے کا ارادہ کرتا تو کنارے پر موجود شخص ایک پتھر اٹھا کر اس کے منہ میں پھینک دیتا اور اسے واپس اس جگہ پہنچا دیتا جہاں پر وہ پہلے موجود تھا۔ اسی طرح جب بھی وہ نکلنے کے لیے سامنے سے آتا تو کنارے پر موجود یہ شخص ایک پتھر اس کے منہ کے اندر پھینک دیتا اور وہ واپس لوٹ جاتا جیسا کہ پہلے تھا۔ میں نے اپنے ساتھی فرشتوں سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا چلتے رہو (یعنی بعد میں بتائیں گے) فی الحال چلتے رہو اور دیکھتے رہو) آخر میں فرشتوں نے کہا کہ جس شخص کو تم نے خون کے دریا میں دیکھا تھا وہ سو ذخروں میں سے تھا۔"

(۳) "عن ابی حمیفۃ قال نہی اللہ عن ثمن الکلب و ثمن الدم و نہی عن

الواشمة و المہستوشمة و آکل التراب و موکلہ و لعن المصثور"۔

(الرحمیفۃ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت لینے اور خون کی قیمت لینے سے منع کر دیا ہے۔ اور خال لگانے اور گولانے سے

طہ صحیح بخاری کتاب البیوع، باب موکل الیاء رقم الحدیث ۱۹۸۰

• • • • • باب ثمن الکلب • • • • • ۲۱۲۳

• • • • • کتاب الطلاق باب مہربغنی • • • • • ۵۰۳۲

• • • • • کتاب التلباس باب الواشمة • • • • • ۵۶۰۱

• • • • • باب من لعن المصثور • • • • • ۵۶۱۷

اور سود کھانے اور کھلانے سے بھی منع فرمایا ہے اور معذور پر لعنت بھیجی ہے)

(۴) "عن ابن مسعود قال لعن رسول الله آكل الربا وموكله" - تہ

(ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے)

(۵) "عن جابر بن عبد الله عن النبي لعن رسول الله آكل الربا وموكله و

كاتبه وشاهديه وقال هو سواؤ" - تہ

(جابر بن روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر کھلانے والے پر۔ اس کے کھینے والے پر اور اس کے گواہوں پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ سب برابر ہیں۔)

(۶) "عن علي بن ابی طالب قال لعن رسول الله صلی الله عليه وسلم آكل الربا

وموكله والناسخه والمستوشمة للحسن وماتع الصدقة والمحلل والمحلل له و

كان ينهى عن النوح" - تہ

(حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت بھیجی ہے سود

کھانے والے پر، کھلانے والے پر، خال لگانے والی پر اور گوانے والی پر (مضوی)

حسن کے لیے، زکوٰۃ نہ دینے والے پر، حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ

کیا گیا ہو اس پر بھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماتم کے موقع پر رونے

پیشے اور منہ نوحنے سے بھی منع کیا ہے)

تہ صحیح مسلم کتاب المساقات باب لعن آكل الربا وموكله، رقم الحدیث ۱۵۹۷

تہ صحیح مسلم فی المساقات باب لعن آكل الربا وموكله، رقم الحدیث ۱۵۹۸

تہ الفتح الربانی لترتیب مسند احمد الشیبانی ص ۶۸، جلد ۱۵

(۷) عن عبد الله بن حنظلة غسيل المثلثة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم  
 درهم ربايا كلفه الرجل وهو يعلم اشد من ستة وثلاثين ذنية<sup>۱</sup> ثم  
 حضرت عبد اللہ بن حنظلہ الملائکہ حضرت حنظلہ کے بیٹے ہیں سے مروی ہے کہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سود کا ایک روپیہ جسے کوئی شخص حرام  
 کا علم رکھنے کے باوجود کھاتا ہے تو اس کا گناہ ۳۶۰ مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ  
 ہے۔)

اس حدیث کے بارے میں حافظ نور الدین البیہقی (متوفی ۸۰۷ھ) فرماتے ہیں:  
 "رواه أحمد والطبرانی في الكبير والادوسط ورجال احمد رجال الصحيح" ثم  
 (اسے احمد بن حنبل نے اور طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں نقل کیا ہے  
 اور مسند احمد کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں)

مسند احمد کے مرتب اور شارح شیخ احمد عبد الرحمن البنا لکھتے ہیں:  
 (قُلْتُ وصححه أيضاً الحافظ السيوطي ووثق رجاله الحافظ العراقي<sup>۲</sup> و  
 ذب عنه الحافظ ابن حجر العسقلاني في كتابه "القول المستد في الذب عن  
 المسند" ثم

حافظ سیوطی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ عراقی نے بھی اس  
 کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر نے اس حدیث کا دفاع اپنی کتاب  
 "القول المستد میں کیا ہے)

۱۔ الفتح الرباني ص ۶۹ جلد ۱۵ والمعجم الاوسط للطبرانی متوفی ۳۶۰ھ طبع المعارف رياض ۱۹۸۷ء

ص ۲۳، جلد ۱۵۔ ثم مجمع الزوائد باب الرباط طبع بيروت ۱۹۶۷ء جلد ۳ ص ۱۱۷

ثم بلوغ الاماني في ذيل الفتح الرباني ص ۶۹ جلد ۱۵

(۸) "عن ابن مسعود عن النبي قال الربا ثلاثة وسبعون باباً اليسر هامل ان

ينكح الرجل أمته وان ابى الربا عرض الرجل المسلم" لے

(ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ربا کے

عذاب کی ۷۳ قسمیں ہیں (یعنی بہت سی قسمیں ہیں) ان میں سب سے ادنیٰ قسم

ایسی ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔ اور سب سے بڑا سودیر ہے

(یعنی بڑا گناہ) کہ کسی مسلمان کی عورت لوٹی جائے)

(۹) "وعن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم قال الربا سبعون باباً و

الشرك مثل ذلك" لے

(ابن مسعود سے مروی ہے کہ سود کے وبال و عذاب کی ۷۰ قسمیں ہیں اور شرک کا

وبال و عذاب بھی اسی طرح ہے)

(۱۰) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُتیت لیلۃً اُسوی

بنی علی قوریم یطونہم کما لیبوت فیہا الحیات تری من خارج بطونہم فقلت من

ہؤلاد؟ قال ہؤلاد آکلۃ الربا" لے

لے المستدرک بحاکم ص ۳۷۷ جلد ۲ وقال صحیح علی شرط الشيخین وواقفہ الذہبی فی

تلخیص المستدرک والمصنف لعبد الرزاق متوفی ۲۱۱ھ ص ۳۳۱ جلد ۸۔ وخرجه

ابن ماجہ فی ابواب التجارات وکن سندہ ضعیف لے مصنف عبد الرزاق ص ۳۱۵

جلد ۸۔ و مسند البزار المتوفی ۲۹۲ھ بحوالہ کشف الاسرار ص ۶۳۷ جلد ۱۔ ابواب الشرک رقم الحدیث

۹۱۔ وقال البیہقی فی معجم الزوائد ص ۱۱ جلد ۴ رجالہ رجال الصحیح ورواہ ابن ماجہ متوفی

۲۷۷ھ فی ابواب التجارات باب التغلیظ فی الربا رقم الحدیث ۲۲۹۵ لے الفتح الربانی باب

الاسرار ص ۲۵۶ جلد ۲۰ و سنن ابن ماجہ باب التغلیظ فی الربا رقم الحدیث ۲۲۹۳

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مجھے معراج کی رات ایسی قوم پر لے جایا گیا جن کے پیٹ گھروں کی طرح تھے (بڑے تھے) ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو پیٹوں کے باہر سے نظر آرہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرشتے نے کہا یہ لوگ سود خور ہیں)

(۱۱) "عن ابن مسعود عن النبي قال ما ظهر في قوم الزنا والربا إلا اهلوا انفسهم عذاب الله" لہ

(ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کسی قوم میں نہیں پھیلتا زنا اور ربا، مگر جب بھی پھیلتا ہے تو وہ اپنے اوپر اللہ کا عذاب نازل کروا لیتی ہے)

(۱۲) عن ابن عباس قال النبي اذا ظهر الزنا والربا في قرية فقد اهلوا بانفسهم عذاب الله

(ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب کسی بستی میں زنا اور ربا پھیل جائے (غالب ہو جائے) تو اس بستی کے لوگ اپنے اوپر اللہ کا عذاب نازل کروا لیتے ہیں)

(۱۳) عن عمرو بن عاص قال سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول ما من قوم يظفهم فيه الربا الا اخذوا بالسنة وما من قوم يظفهم

لہ مسند ابی یعلیٰ الموصلیؒ المتوفی ۳۰۷ھ طبع بیروت ۱۹۸۳ء ص ۳۹۶ جلد ۸ رقم الحدیث ۴۹۸۱۔ من عبد اللہ بن مسعود فی سند جاد شریک وهو متکلم فیہ ولكن له شواهد ولذا قال البیهقی فی مجمع الزوائد ص ۱۱ جلد ۴۔ اسناد تہجید۔

لہ المستدرک للحاکم ص ۳۷ جلد ۲ ووافقه الذہبی فی تلخیص المستدرک

الرِّشَا اِلَّا اَخِذُوا بِالرَّعِيبِ“ لے

عروبن عاصمؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جس قوم میں سود عام ہو جائے تو اس کی گرفت کی جاتی ہے قحط سالی کے ذریعے اور جس قوم میں رشوت عام ہو جائے تو اس کی گرفت کی جاتی ہے رعب اور خوف کے ذریعے) (دشمن کے نام سے بھی ڈرتی ہے)۔

(۱۴) ”عن ابی حمزہؓ قال قلت لابن عباسؓ ان رجلاً جلاباً يجلب الغنم وانه يشارك اليهودي والنصراني قال لا يشارك يهودياً ولا نصرانياً ولا مجوسياً قال قلت لِمَا؟ قال لانهم يريدون والتربا لا يجلب“ لے

ابو حمزہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا ایک شخص بھیڑ بکریاں باہر سے لاکر فروخت کرتا ہے، مگر وہ اس کاروبار میں یہودی اور نصرانی کو بھی شریک بناتا ہے؟ اس پر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہودی یا نصرانی یا مجوسی کے ساتھ شراکت کا کاروبار نہ کرے۔ میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ یہ لوگ سودی لین دین کرتے ہیں اور سود حلال نہیں ہے)

ابن عباسؓ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ وہ غیر مسلم جو سودی کاروبار کرتے ہیں ان کے ساتھ کاروباری اور تجارتی تعلق جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ سودی لین دین کو چھوڑ نہ دیں۔ ورنہ اصولاً تو غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کرنے کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ احادیث میں غیر مسلموں کے ساتھ بیع و شراء کا ثبوت موجود ہے۔

لے الفتح الربانی لترتیب منہ احمد الشیبانی منہ جلد ۱۵

لے المصنف ابن ابی شیبہ متونی ۲۳۵ھ طبع کراچی ۱۹۸۶ء ص ۶ جلد ۶

لے السنن الکبریٰ للبیہقی ۳۳۵ھ جلد ۵

(۱۵) "عن سميد بن ابى بُردة عن ابيه ايتت المدينة فلقيت عبد الله بن سلام فقال الاتحيمي فاطمك سويقا وتمرأ وتمدخل في بيت ثم قال أنك بارض الربا بها فاش إذا كان لك على رجل حق فاهدى إليك رجل بن او رجل شعير او رجل قتي فلا تأخذ فإنه ربا"۔

اسیڈ اپنے باپ ابو بردہ اشعری سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں آیا تو عبداللہ بن سلام سے میری ملاقات ہوئی..... انہوں نے فرمایا کیا تم میرے گھر نہیں آتے کہ میں تمہیں ستوا در کھجور کھلاؤں اور تم ایک مبارک گھر میں داخل ہونے کا شرف بھی حاصل کر لو گے (عبداللہ بن سلام کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام بھی فرمایا تھا اور نماز بھی پڑھی تھی) پھر کہنے لگے تم ایسے علاقے میں رہتے ہو جس میں سود عام ہے۔ جب تمہارا کسی شخص پر کوئی حق (قرض) ہو اور وہ تمہیں گھاس کا یا جو کا یا چارے کا گٹھا تحفے کے طور پر دینا چاہے تو اسے قبول نہ کرو، کیونکہ یہ بھی سود ہے (

ابو بردہ اشعری ابو موسیٰ اشعری کے بھائی تھے۔ اصل میں یمن کے اشتر قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ۳۳ھ میں غزوہ خیبر کے موقع پر یہ پچاس سپہن افراد کے ایک وفد میں مدینہ آئے تھے، مگر بعد میں انہوں نے کوفہ (عراق) میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ عراق و ایران میں غیر مسلم بھی ابھی کافی تعداد میں موجود تھے جو سودی کاروبار کے عادی تھے۔ اگرچہ اسلامی حکومت میں رہنے والے غیر مسلموں کو بھی سود لینے دینے کی اجازت نہیں ہوتی، مگر پھر بھی اس بُری عادت کے لوگ چوری چھپے یا حیلوں کے ذریعے یہ دھندلا کرتے رہتے تھے۔ اس صورت حال کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن سلام نے ابو بردہ کو نصیحت



کی کہ تم جس سرزمین کے باشندے ہو وہاں پر سودعام ہے۔ اس لیے اگر تمہارا مقروض تمہیں کوئی تحفہ بھی دے تو اسے قبول نہ کرو کیونکہ یہ بھی ربا ہے۔ ربا کا لفظ انہوں نے زجرًا و مبالغۃً کہہ دیا تھا ورنہ یہ ربا نہیں ہے، بلکہ شبہ ربا ہے۔ معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی وہ کاروبار جائز نہیں ہے جس میں سود کی مشابہت پائی جاتی ہو تو پھر حقیقی سود ان کے ساتھ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

(۱۶) "عن ابی قیسؒ مولیٰ عمرو بن العاصؒ قال کتب ابو بکر الصدیقؓ الی امراء

الجنان قد هو الشام اما بعد فانکم قد هبطتم ارض الربا فلا تتبايعون الذهب  
بالذهب الا وزنًا بوزن ولا الورق بالورق الا وزنًا بوزن ولا الطعام بالطعام  
الا كيلًا بكيل قال ابو قیس قرات کتابہ" لے

ابو قیسؒ جو عمرو بن عاصؒ کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کرتے تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے فوجی امراء کے نام ایک خط لکھا تھا جب وہ امراء شام گئے ہوتے تھے۔ "تم سود کی سرزمین پر اترے ہو، لہذا سونا سونے کے بدلے میں نہ بیچو، مگر برابر برابر تول کر بیچو؛ چاندی چاندی کے بدلے میں فروخت نہ کرو، مگر برابر برابر تول کر اور غلہ (گندم) غلے کے بدلے میں فروخت نہ کرو، مگر برابر برابر تول کر۔ اور ابو قیسؒ کہتے ہیں میں نے یہ خط خود بھی پڑھا تھا)

جس طرح کہ عراق میں غیر مسلم بھی موجود تھے اور اس سرزمین پر سودعام تھا تو عبد اللہ بن سلام نے ابو بردہؓ کو نصیحت کی تھی جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح شام کی سرزمین پر عیسائی کافی تعداد میں موجود تھے جو سودی کاروبار کے عادی تھے تو خلیفۃ الرسول ابو بکر صدیقؓ نے اپنے فوجی امراء کے نام خط میں سود سے بچنے کے لیے خصوصی ہدایات ارسال

کی تھیں تاکہ سود کی اس سرزمین پر مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ کہیں غیر شرعی کاروبار شروع نہ کر دیں۔ اس مکتوب صدیقی سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو کسی بھی علاقے میں غیر مسلموں کے ساتھ سودی معاہدے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۱۷) "عن انس قال انا ناکتاب عمرو بن لادن فارس ان لا تبیعوا السیوف فیہا

حلقۃ فضۃ بالدمامہ" لہ

(انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم فارس کی سرزمین پر تھے (جہاد کے لیے) کہ ہمارے پاس امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کا خط آیا کہ ایسی تلواروں کو روپوں کے بدلے فروخت نہ کرو جن میں چاندی کے حلقے ہوں)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک چاندی تلوار سے الگ کر کے اس کا وزن معلوم نہ کیا جائے اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا کہ روپوں کے بدلے میں جو تلوار خریدی گئی ہے اس کی چاندی کی مقدار روپوں سے زیادہ یا کم ہے۔ اس میں چونکہ سود کا شبہ پایا جاتا ہے، اس لیے حضرت عمرؓ نے فارس میں مصروف جہاد مسلمانوں کے نام درج بالا خط لکھا تھا۔

اس مکتوب فاروقی سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بھی سودی لین دین جائز نہیں ہے۔ فارس کی سرزمین پر بھی غیر مسلم آباد تھے جو سود کے عادی تھے اور کسریٰ کی سرزمین میں تلواروں کی ٹھیکیاں اکثر چاندی کی ہوتی تھیں جو مجاہدین کو مالِ غنیمت میں کافی تعداد میں ملی ہوں گی، اس لیے مذکورہ ہدایت نامہ ارسال کیا گیا کہ کہیں مسلمان فارس کے مجوسیوں کے ساتھ سودی معاملات میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

(۱۸) عن عمارۃ الہمدانی قال سمعت علی بن ابی طالبؓ یقول قال رسول اللہ

ہے جس کی بنیاد پر غیر ملکی اداروں اور حکومتوں کے ساتھ سودی معاہدے کرنا اور سودی لین دین کو سود کی قطعی اور عمومی حرمت سے مستثنیٰ قرار دیا جانے اور کہا جانے کے متبادل کے آنے تک یہ سب کچھ حسب سابق جاری رہے گا؛ حالانکہ متبادل تو پہلے سے تیار موجود ہے جس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

دنیا کی تمام عدالتوں اور ماہرین قانون کا مسلمہ قاعدہ یہی ہے کہ جب قانون کے الفاظ عام ہوں اور کوئی استثنائی فقرہ سیاق و سباق میں بھی موجود نہ ہو اور مجملہ قوانین میں بھی موجود نہ ہو تو عدالتیں اس قانون کو عام ہی قرار دیتی ہیں اور جس پر بھی قانون منطبق ہوتا ہو اس پر نافذ کرتی ہیں۔

## عام کی فنی تعریف :

عموم کے معنی میں شمول اور لفظ عام کی فنی تعریف اس طرح کی گئی ہے :

”هو اللفظ الذی يستغرق جمیع ما یصلح له من الافراد“ لہ

(عام وہ لفظ ہے جو ان تمام افراد و اقسام کو شامل ہو جو اس کے مفہوم میں شامل ہونے

کی صلاحیت رکھتے ہیں)

عربی زبان کے قواعد کے اعتبار سے لفظ عام کی تقریباً سات قسمیں ہیں۔ ان میں سے ایک قسم ان الفاظ کی ہے جن کے حقیقی معنی میں عموم و شمول موجود ہو، مثلاً کُل، جمیع، عامۃ، کافۃ اور قاطبۃ وغیرہ۔ اور دوسری قسم وہ لفظ مفرد ہے جس پر الف لام استغرائی داخل ہوا ہو۔ لہ

قرض جتر فہوربا۔<sup>۱۷</sup>

حضرت علیؑ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مہر وہ قرض جو نفع کھینچتا ہو تو اس کا یہ نفع سود ہے۔

(۱۹ تا ۲۲) امام بیہقی نے "کل قرض جتر منفعۃ" کے عنوان سے مستقل باب قائم کیا ہے جس کے تحت حضرت فضالہ بن عبید رضو، حضرت عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن سلام کے اقوال نقل کیے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ ہر قسم کے قرض پر نفع لینا سود ہے۔

سود کے خاتمے کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے تاریخی فیصلے کے ضمیمہ الف میں سوال نمبر ۱ کے جواب میں یوں نے کل قرض جتر نفعاً فہوربا کی حدیث کی اسناد کی حیثیت پر تفصیلی بحث کی ہے۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ شواہد کثیرہ کی وجہ سے یہ حدیث صحیح ہے یا کم از کم حسن ہے اور قابل قبول ہے۔

## قرآن و سنت کے عام حکم میں شرعی دلیل کے بغیر تخصیص جائز نہیں ہے

مذکورہ آیات قرآنیہ، ۱۵ احادیث نبویہ اور ۹ آثار صحابہؓ میں ہر قسم کے قرض پر سود کو حرام قرار دیا گیا ہے خواہ افراد کے درمیان ہو یا اداروں کے درمیان۔ حکومت اور عوام کے درمیان ہو یا دو حکومتوں کے درمیان، اسلامی حکومت اور غیر اسلامی حکومت کے درمیان ہو یا مسلمان اداروں اور غیر مسلم اداروں کے درمیان۔ آخر وہ کون سی دلیل

۱۷ المطالب العالیہ از ابن حجر طبع بیروت ص ۴۷ جلد ۱ رقم الحدیث ۱۳۷۳

عام کی اس تعریف کی روشنی میں حرمتِ ربا کی نصوص (مَن قَانُون) پر غور کرنا چاہیے تاکہ قانون نافذ کرنے والے کی مراد متعین ہو سکے۔ مذکورہ آیات و احادیث میں لفظ الربا آیا ہے جو مفرد "مُعْرَفٌ بِالْأَمِّ" ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر قسم کا ربا حرام ہے اور سود کھانے اور کھلانے والا ملعون ہے۔ خواہ مسلم فرد سے سود لیتا ہو یا اسے دیتا ہو۔ غیر مسلم ادارے اور غیر اسلامی حکومت کے ساتھ یہ سودی لین دین کرتا ہو یا کسی مسلم ادارے اور اسلامی حکومت کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہو۔ اسی طرح کل قرض جبرئ نفعا فہو ربا میں لفظ کل آیا ہے جس کے معنی موضوع لہ میں عموم و شمول موجود ہے، یعنی ہر قسم کے قرض پر مشروط نفع سود ہے خواہ ملکی قرضے ہوں یا غیر ملکی قرضے ہوں۔ غیر اسلامی حکومتوں سے لیے گئے ہوں یا قومی اور ملکی ضروریات اور ترقیاتی منصوبوں کے لیے حاصل کیے گئے ہوں۔ سب پر نفع دینا سود کھلانا ہے جو موجب لعنت ہے۔ اس سے صرف اضطرار کی صورت حال نصوص میں مستثنیٰ کی گئی ہے، لیکن شخصی یا قومی زندگی کا معیار بلند کرنا اور سہولتیں مہیا کرنا ایک ضرورت تو ہے مگر اضطرار نہیں ہے۔ اضطرار ناقابلِ برداشت صورت حال کا نام ہے جس میں مرجلے کا خطرہ درپیش ہو۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے اور عقل و خرد کا تقاضا بھی یہی ہے کہ شخصی اور قومی زندگی کا معیار اپنے وسائل کے مطابق رکھنا چاہیے اور اس معیار کو بلند کرنے کے لیے اپنے وسائل کی حدود کے اندر رہ کر کوشش کرنی چاہیے؛ سودی قرضوں کے ذریعے مصنوعی ترقی تو کوئی چیز نہیں ہے۔

جس طرح مسلمانوں پر چوری، رہزنی، رشوت، دھوکہ دہی اور خیانت حرام ہے تو ہر جگہ حرام ہے اور ہر مسلمان کے لیے حرام ہے خواہ وہ حکمران ہو، کسی ادارے کا سربراہ ہو یا عام فرد ہو۔ جس طرح افراد کے لیے یہ چیزیں حرام ہیں اسی طرح اسلامی حکومت کے لیے بھی حرام ہیں۔ جس طرح افراد کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ

غیر مسلموں اور غیر ملکیوں سے چوری، رہبرنی، رشوت اور خیانت کے ذریعے دولت کمائیں، اسی طرح اسلامی حکومت کو جو مسلمانوں کی نمائندگی اور وکالت کرنے والا ادارہ ہوتا ہے یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ غیر اسلامی حکومتوں کے ساتھ چوری یا رہبرنی، رشوت اور خیانت کے معاہدے کرے، تو ربا کے معاہدوں کی اجازت آخر کس اصول و دلیل کی بنیاد پر دی جاسکتی ہے؟ اس لیے کہ ربا کی حرمت بھی قطعی، ابدی اور عام ہے۔ یہ بات تو کسی طرح سمجھ میں آنے والی نہیں ہے کہ مسلمان عوام کے لیے تو سود حرام ہو، مگر مسلمانوں کی نمائندگی اور وکالت کرنے والی اسلامی حکومت کے لیے غیر اسلامی حکومتوں کے ساتھ سودی کاروبار جائز ہو!



# اسلامی حکومت قومی لوربین الاقوامی اداروں میں اسلامی احکام کی نمائندگی کرے

اسلامی حکومت کوئی سیکولر حکومت نہیں ہوتی کہ عوام کو تو اسلام پر عمل کرنے کی اجازت دیتی ہو، مگر ریاستی، سیاسی اور اقتصادی امور میں دین و مذہب کو دخل دینے کی اجازت نہ دیتی ہو۔ اسلامی حکومت کا فرض منصبی اقامتِ دین ہے اور دنیا بھر میں دین کی دعوت و تبلیغ کرنا اور اسلامی فکر کی نمائندگی کرنا اس کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ ایک نظریاتی ریاست اپنے تمام وسائل اور تدابیر و اقدامات ریاست کے نظریے کے فروغ کے لیے کرنے کی پابند ہوتی ہے۔ جب یہ نظریاتی ریاست خود اپنے قومی نظریے کے خلاف معاہدے کرتی ہو اور بین الاقوامی طور پر اپنے نظریے کے بجائے دوسروں کے نظریات و افکار کی پابندی کرتی ہو تو اس کے معنی تو یہی ہوں گے کہ یہ حکومت اپنے نظریے کو دوسروں کے سامنے مشکوک بناتی ہے، حالانکہ اس کا فرض تو یہ تھا کہ وہ اپنے نظریے کی سچائی ثابت کرتی اور اس کی نمائندگی کرتی۔ کسی مسلمان فرد کی غلطی کو تو نظر انداز کیا جاسکتا ہے، مگر کروڑوں مسلمانوں کی وکالت و نمائندگی کرنے والی حکومت اسلام کا نمونہ پیش کرنے کے بجائے جب کفر کا نمونہ پیش کرے۔ غیر اسلامی معاہدے کرے۔ سودی کاروبار میں ملوث ہو اور بین الاقوامی ساہوکاروں کی شریک کار ہو تو پھر یہ اسلامی احکام اور اسلامی فکر کی نمائندگی کا فرض کس طرح انجام

دے سکے گی اور دنیا میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام کس طرح کرے گی؟ کیا یہ دنیا کو یہ سبق پڑھائے گی کہ اسلامی نظام میں ملک کے اندر تو سود حرام ہے مگر بین الاقوامی طور پر سودی کاروبار حلال ہے؟ ایسی صورت میں تو دنیا اسلام سے متاثر ہونے کے بجائے مزید متنفر ہوگی۔ آخر اس بات کو لوگ کس طرح تسلیم کر سکتے ہیں کہ ملک کے اندر تو ظلم حرام ہے مگر بین الاقوامی طور پر ظلم حلال ہے؟

غیر مسلموں کے ساتھ غیر شرعی کاروبار:

سورة النساء کی آیت ۱۶۱ میں ارشاد ربانی ہے کہ یہودی بھی سود سے منع کر دیے

گئے تھے:

”وَأَخَذْنَاهُم بِالْبَيْتِ وَأَقْدَمُوا لَهُمْ مَنَافِعَهُمْ وَأَكَلْتَهُمُ الْاَمْوَالَ الْاِنْسَانِ بِالْبَاطِلِ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيمًا“

(یہ سزا اس وجہ سے بھی دی گئی تھی کہ یہ لوگ (یہود) سود لیتے تھے حالانکہ انہیں تو اس سے منع کر دیا گیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ یہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے)

یہودی تو آج عالمی ساہوکاری کے اجارہ دار بنے ہوئے ہیں، لیکن ان کی مقدس کتاب بائبل (عہد نامہ قدیم) میں آج بھی سود کی حرمت کا حکم موجود ہے۔ دواقتباس ملاحظہ کیجیے:

”اگر تو میرے لوگوں میں سے کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اس سے بیا جیوں کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ ان سے سود لینا۔“

(خروج باب ۲۲-۲۵)

”تو اس سے سود اور نفع مت لے، اپنے خدا سے ڈر، تاکہ تیرا بھائی تیرے



ساتھ زندگانی بسر کرے تو اسے سود پر روپیہ قرض مت دے، نہ اسے  
 نفع کے لیے کھانا کھلا۔“ (احبار باب ۱۵ - صفحہ ۳۶ - ۳۷)  
 بائبل (مذہب نامہ قدیم) کے اس واضح حکم کے باوجود ان کا طرز عمل قرآن کریم نے اس  
 طرح نقل کیا ہے :

”وَجِبْتُمْ مِّنْ اِنْ تَامَنَّهُ بِدِينَارٍ لَا يُعَدُّ اَيْنَاكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ تَامًا  
 ذٰلِكَ بِاَنَّكُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاٰمِيْنَ مَسِيْلٌ وَيَقُوْنُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ  
 الْكٰذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ“ - ۱۷

ادمان میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس ایک اشرفی بھی امانت  
 رکھے تو یہ اسے واپس نہیں دیں گے، مگر جب تک کہ تو ان کے سروں پر  
 ہمیشہ کے لیے کھڑا رہے۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر ان پڑھ  
 لوگوں کے اموال کے بارے میں کوئی حجت نہیں ہے۔ یہ اللہ پر جھوٹ  
 باندھتے ہیں، حالانکہ ان کو علم ہے کہ یہ بات جھوٹ ہے۔

قاضی ریضاوی اور دوسرے مفسرین نے لکھا ہے کہ امین سے ان کی مراد عرب اور  
 دوسرے وہ تمام لوگ تھے جو ان کے مذہب کو نہیں مانتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا  
 کہ یہودی پر غیر یہودی کا مال مباح ہے اور اس کے مباح نہ ہونے کی کوئی حجت ہمارے  
 خلاف موجود نہیں ہے۔ ہم ان کا مال جس طریقے سے بھی حاصل کر لیں وہ ہمارے لیے  
 حلال ہوگا۔ اگر مسلمان بھی یہی طریقہ اختیار کر لیں کہ آپس میں تو سودی کاروبار نہ کریں مگر  
 غیر مسلموں اور غیر مسلم حکومتوں اور اداروں کے ساتھ سودی اور دوسرے غیر اسلامی معاہدے  
 کرتے رہیں اور اس طرز عمل کو جائز قرار دیں تو یہ یہودی سنت کی پیروی نہیں ہوگی

تو اور کیا ہوگی ؟ اعاذنا اللہ منها۔

ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سووی حرمت ان احکام میں شامل ہے جو تمام انبیاء کی شریعتوں میں بالخصوص تورات کی شریعت میں بھی موجود تھے :

”عن صفوان بن عسال قال قال يهودى يصلحبه اذهب بنا الى هذا النبي فقال له صاحبه لا تقبل نبي انه لو سمعك كان له اربع اعين فاتي رسول الله صلى الله عليه وسلم فساله عن تسع آيات بينات فقال لهما رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تشركوا بالله شيئا ولا تسرقوا ولا تزنوا ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق ولا تمشوا بمرجى الى ذي سلطان يقتله ولا تسحروا ولا تأكلوا الربا ولا تقذفوا محصنة ولا تذكروا الفرس يوم النحر وعليكم خاصة اليهود ان لا تعدوا في السبت قال فقبلا يديه ورجليه وقال انشهد انك نبي قال فامتنعك ان تبسحنى قالان داود وعاديه ان لا يزال من ذنبتك نبي وانما نخط ان اتبعنك ان تقتلنا اليهود“

(صفوان بن عسال کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا میرے ساتھ اس نبی کے پاس جاؤ، اس کے ساتھی نے کہا نبی نہ کہو اگر اس نے سن لیا تو اس کی باچھیں کھل جائیں گی (خوش ہو جائے گا) جب یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو نوکھلی نشانوں کے بارے میں پوچھا

۱۔ سنن ترمذی کتاب الادب والاستیذان باب قبلۃ الیہ والرجل و فی تفسیر باب

من سورہ بنی اسرائیل۔ سنن نسائی کتاب تحریم الدم باب السرد وسند احمد

ص ۲۳۹، ۲۴۰ جلد ۴ مسند صفوان

(جو حضرت موسیٰؑ کو دی گئی تھیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نشانیوں یعنی موسیٰؑ کے مشہور نو معجزات کا ذکر کرنے کے بعد جن کا راوی نے اس لیے ذکر نہیں کیا کہ وہ مشہور ہیں اور قرآن کریم میں مذکور ہیں) فرمایا (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (۲) چوری نہ کرو (۳) زنا نہ کرو (۴) کسی نفس کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام کر دیا ہو، مگر حق کے ساتھ (۵) کسی پاک اور بے گناہ شخص کو (جھوٹی تہمت لگا کر) محکمان کے پاس لے کر نہ جاؤ تاکہ وہ اسے (ناحق) قتل کر دے (۶) جادو نہ کرو (۷) سود نہ کھاؤ (۸) کسی پاکدامن عورت پر جھوٹی تہمت نہ لگاؤ (۹) بھاگنے کی نیت سے دشمن کے لشکر کا سامنا کرتے وقت منہ نہ پھيرو (بھاگو مت) اور اے یہود یو! تم پر خاص طور پر (دسواں) حکم یہ تھا کہ ہفتے کے دن کے بارے میں حکم سے تجاوز نہ کرو۔ صفوانؓ کہتے ہیں کہ اس پر ان دونوں یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اور پاؤں کا بوسہ لیا اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو اللہ کا نبی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تم میری پیروی کیوں نہیں کرتے (جاننے کے باوجود مانتے کیوں نہیں ہو؟) انہوں نے کہا کہ داؤد علیہ السلام نے دُعا کی تھی کہ آئندہ کے لیے نبی میری نسل ہی میں بھیجا جائے، اس لیے ہم ڈرتے ہیں کہ اگر آپ کی پیروی کریں تو یہود ہمیں مار ڈالیں گے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی دُعا کے بارے میں یہودیوں کی یہ بات جھوٹی تھی، لیکن ان میں مشہور تھی، اس لیے یہ ڈر گئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذکورہ ۹ چیزیں جن میں سود بھی شامل ہے تمام انبیاء کی شریعتوں میں حرام تھیں۔

## مسلمان اور حربی کافر کے درمیان دارالحرب میں سودی

### کاروبار کا مسئلہ

نفاذ شریعت ایکٹ کی دفعہ ۱۸ میں جن سودی معاہدوں اور سود کی ادائیگیوں کو جاری رکھنے کا ذکر ہوا ہے اور جن کو اس ایکٹ کی دفعات سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ وہ تو غیر اسلامی حکومتوں اور اداروں کے ساتھ سودی کاروبار ہے جو پاکستان کی حکومت یا ادارے ملک میں بیٹھے ہوئے کرتے ہیں، یعنی حکومت اور ادارے اپنے ملک میں سکونت پذیر ہوتے ہوئے یہ معاہدے کرتے ہیں۔ اس صورت حال میں تو تمام فقہاء اسلام معہ حنفیہ کے سودی کاروبار کو حرام کہتے ہیں۔ کسی امام، فقیہ، محدث اور عالم دین کا کوئی شاذ قول بھی مجھے باوجود تلاش کرنے کے نہیں مل سکا جس میں یہ کہا گیا ہو کہ اسلامی حکومت کسی غیر اسلامی حکومت کے ساتھ سودی معاہدے یا دوسرے غیر شرعی عقود کر سکتی ہے یا اسلامی ریاست میں کام کرنے والا کوئی سرکاری، نیم سرکاری یا نجی ادارہ غیر اسلامی ریاست میں کام کرنے والے اداروں کے ساتھ عقود فاسدہ یا سودی معاہدے کر سکتا ہے۔ موجودہ صورت حال یہ نہیں ہے کہ غیر اسلامی حکومتوں کی حدود میں مستقل طور پر یا وقتی طور پر رہائش رکھنے والے مسلمان غیر مسلموں سے سودی لین دین کرتے ہیں اور اس کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں شرعی فیصلہ درکار ہے۔ یہ صورت حال اس وقت عدالت کے زیرِ غور نہیں ہے اور نہ کسی نے عدالت سے اس صورت حال کے بارے میں فیصلہ دینے کی درخواست کی ہے؛ بلکہ صحیح اور حقیقی صورت حال یہ ہے کہ غیر مسلم حکومتوں اور اداروں سے قرضے وغیرہ پاکستان میں معاہدے کی بنیاد پر لیے جلتے ہیں اور ان پر سود پاکستان کی حکومت یا ادارے ادا کرتے ہیں۔ معاہدے جہاں بھی ہوئے ہوں ادائیگیاں پاکستان سے کی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ مذکورہ آیات و احادیث

کے قطعی عموم و شمول کی روشنی میں یہ لین دین حرام ہے اور سودی کاروبار ہے جس کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور دار الحرب کی حدود کے اندر حربی کافر سے سود لینے یا دینے کے مسئلے کا اس صورت حال سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے، لیکن چونکہ آج کل مشیٰ بھرتیوں اور نام نہاد متوتیرین سود کو جائز ہی نہیں، بلکہ مفید ترین قرار دینے کے لیے یورپین طرز کے اجہاد کا شوق رکھتے ہیں اور خدا کی دی ہوئی عقل کو خدا کے احکام کو بدلنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس لیے ہو سکتا ہے کہ ان کی عقل ماڈی "دار الحرب میں سود کے مسئلے سے سہارا لینے کی کوشش کرے جس کے جواز یا عدم جواز میں تھوڑا سا اختلاف اللہ ابہام و اشتباہ موجود ہے۔ اس سہارے کو توڑنے کے لیے موضوع سے غیر متعلق ہونے کے باوجود نفس مسئلہ کی حیثیت سے متیقح و تشریح مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کے سود کے خاتمہ سے متعلق انقلابی فیصلے کے ضمیمہ الف میں سوال نمبر ۷ کے جواب میں میں نے اس مسئلے کی بقدر ضرورت تشریح کر دی ہے۔ اس وقت اس جواب کی تلخیص اور کچھ نئے نکات پیش خدمت ہیں :

دار الحرب میں سودی کاروبار کے بارے میں فقہاء اسلام کی آرا :

صحیح ترتیب یہ نظر آتی ہے کہ پہلے اس مسئلے میں چاروں فقہی مکاتب فکر کی آراء نقل کی جائیں۔ اس کے بعد دلائل بیان کیے جائیں اور پھر دلائل کا حقیقی جائزہ لے کر مسک راجع کا تعین کیا جائے۔ میں نے اپنے ذوق تحقیق کے مطابق ہر فقہی مسک متعمد کتابوں سے براہ راست نقل کیا ہے :

(۱) امام مالک بن انس (المتوفی ۱۷۹ھ)

"قلت هل سمعت مالكا يقول بين المسلم اذا دخل بلاد الحرب وبين  
الحربي ربا قال لم اسمع من مالك فيه شيئا ولا أرى للمسلم ان يئتم"

لذالك " ۱۷

(سحنون بن سعید کہتے ہیں کہ میں نے (عبدالرحمن بن قاسم سے) پوچھا کہ آپ نے امام مالک سے اس بارے میں کچھ سنا تھا کہ کوئی مسلمان جب دارالحرب میں داخل ہو کر کسی حربی کے ساتھ سود کا معاملہ کرے تو حکم کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ امام مالک سے تو میں نے اس بارے میں کچھ بھی نہیں سنا مگر میں کسی مسلمان کے لیے اس کا ارادہ کرنا بھی جائز نہیں سمجھتا)

(۲) امام ابوحنیفہ کے شاگرد اور جانشین قاضی ابویوسف (المتوفی ۱۸۲ھ)

"وعند ابی یوسف والشافعی لا یجوز" ۱۸

(قاضی ابویوسف اور شافعی کے نزدیک دارالحرب میں بھی سود جائز نہیں ہے)

(۳) امام محمد بن ادریس الشافعی (المتوفی ۲۰۴ھ)

قال ابوحنیفہؒ لو ان مسلماً دخل ارض الحرب بامان فباعهم الدرهم بالدرهمین

لم یکن بذالك بائس لان احکام المسلمین لا یجری علیہم فباتی وجه اخذ

اموالہم ورضامنہم فهو جائز قال الادزاعی التوباعلیہم حرام فی ارض

الحرب وغیرہا۔ وقال ابویوسف وغیرہا۔ وقال ابویوسف القول ما

قال الادزاعی لا یحل هذا ولا یجوز۔ قال الشافعی القول ما قال

وابویوسف " ۱۹

(ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی مسلمان دارالحرب (غیر اسلامی حکومت کی سرزمین میں

۱۷ المدقۃ الكبرى کتاب التجارة بارض العدو ص ۲۷۱ جلد ۲

۱۸ المبسوط للشمسی طبع بیروت ۱۹۸۷ء ص ۱۴۰۔ ویدایع مع فتح القدر ص ۳۸-۳۹ جلد ۷

۱۹ کتاب الام للشافعی طبع بیروت ۱۹۷۲ء ص ۳۵۸-۳۵۹ جلد ۷

امن لے کر داخل ہو جائے اور کفار پر دارالحرب میں ایک درہم دو درہموں کے بدلے میں فروخت کرے تو اس میں کچھ باک نہیں ہے، اس لیے کہ حربی کافروں پر مسلمانوں کے احکام جاری نہیں ہوتے، تو ان کے مال ان کی رضا سے جس طرح ادا جس طریقے پر بھی کوئی مسلمان لے لے تو جائز ہے، مگر امام اوزاعیؒ (شام کے فقیہ اور محدث اور امام ابوحنیفہؒ کے ہم عصر تھے) نے کہا ہے کہ سود مسلمانوں پر دارالحرب اور غیر دارالحرب دونوں میں حرام ہے۔ ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ صحیح قول اوزاعیؒ کا ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں صحیح قول وہی ہے جو اوزاعیؒ اور ابو یوسفؒ کا ہے)

(۴) امام احمد بن حنبل الشیبانی (المتوفی ۲۴۱ھ) :

”و سحرّم الربانی دار الحرب کتحريمه فی دار الاسلام وبه قال مالک والاذاعی و ابو یوسف و الشافعی و اسحق“ لھ

(سود دارالحرب میں اسی طرح حرام ہے جس طرح کہ دارالاسلام میں حرام ہے۔ امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ اور امام اسحق بن راہویہؒ (شیخ البخاری) کا قول بھی یہی ہے)

ان ائمہ کی تائید میں متعدد تابعین اور فقہاء و محدثین کے اور بھی اقوال پیش کیے جا سکتے ہیں، لیکن یہ چار ائمہؒ، یعنی امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اس رائے کی نمائندگی کے لیے کافی ہیں۔ ان سب کی دلیل حرمت ربوا کے بارے میں وہ آیات و احادیث صحیحہ ہیں جن میں عمومی اور واضح الفاظ میں ربا کو ممنوع قرار دے دیا گیا ہے خواہ دارالحرب میں حربی کافر سے لیا جائے یا سے دیا جائے یا دارالاسلام میں مسلمانوں اور ذمی کافروں کے ساتھ سودی لین دین کا معاملہ کیا جائے۔ نصوص قرآن و سنت میں دارالحرب

اور حربی کافر کا استشاد موجود نہیں ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حربی کفار کے اموال میدانِ جنگ میں تو مسلمانوں کے لیے حلال ہیں جن میں سے خمس ۱/۵ سرکاری خزانے میں داخل ہو گا اور باقی مجاہدین میں تقسیم کر دیے جائیں گے، لیکن امن کی حالت میں سو دی معاہدوں یا دوسرے عقودِ فاسدہ کے ذریعے کفار کا مال حلال اور مباح نہیں ہو سکتا۔ غیر شرعی طریقے سے حاصل کردہ مال حرام ہوتا ہے خواہ مسلمان اور ذمی سے لیا گیا ہو یا حربی کافر سے لیا گیا ہو۔

(۶-۵) امام اعظم ابوحنیفہؒ (متوفی ۱۵۰ھ) اور امام محمدؒ (متوفی ۱۸۹ھ) :

قال (اے محمدؐ) ذُکِرَ عَن مَكْحُولٍ عَنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا رِبَا بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ وَبَيْنَ أَهْلِ دَارِ الْحَرْبِ فِي دَارِ الْحَرْبِ وَهَذَا الْحَدِيثُ وَإِنْ كَانَ مُرْسَلًا فَمَكْحُولٌ فَتَقِيهِ ثِقَةٌ وَالْمُرْسَلُ مِنْ مِثْلِهِ مَقْبُولٌ وَهُوَ دَلِيلٌ لِأَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ فِي جَوَازِ بَيْعِ الْمُسْلِمِ الدَّرْهَمَ بِالْأُورْهِمِ مِنَ الْحَرْبِيِّ فِي دَارِ الْحَرْبِ - ۱

امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ مکحولؒ سے نقل ہوا ہے کہ مسلمانوں اور حربی کافروں کے درمیان دار الحرب میں سو حرام نہیں ہے۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے، مگر مکحولؒ ایک ثقہ فقیہ تھے اور ایسے شخص کی مرسل حدیث بھی مقبول ہوتی ہے۔ یہ حدیث ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کے اس قول کی دلیل ہے کہ دار الحرب میں مسلمان اگر ایک درہم دو درہموں کے بدلے میں حربی کافر پر فروخت کرے تو یہ بیع جائز ہے)

"وَإِذَا دَخَلَ الْمُسْلِمُ دَارَ الْحَرْبِ بِالْأَمَانِ فَلَا بَأْسَ بِأَنْ يَأْخُذَ مِنْهُمُ أَمْوَالَهُمْ طَيِّبٌ أَنْفُسُهُمْ بِأَيِّ وَجْهِ كَانَ" ۲

۱۔ المبسوط للشرح ص ۵۳ جلد ۱۴ باب الصرف في دار الحرب

۲۔ شرح السيرة الكبرى ص ۱۴۱ جلد ۴



مسلمان امان لے کر جب دارالحرب میں جائے تو حربی کافروں کا مال ان کی رضامندی سے جس طریقے پر بھی حاصل کر لے تو کوئی گناہ نہیں ہے)

## دارالحرب میں جوازِ ربا کے مُبَیِّنہ دلائل :

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کا خلاصہ یہ ہے کہ دارالاسلام (اسلامی حکومت) سے امان لے کر جو مسلمان دارالحرب میں جا کر سکونت اختیار کر لے یا پہلے سے وہاں پر رہتا ہو وہ دارالحرب (غیر اسلامی حکومت) میں حربی کافر سے سود لے سکتا ہے۔ اس مسلک کے لیے جو دلائل امام محمدؒ نے السیر الکبیر میں اور امام سرخسیؒ نے مبسوط میں بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے :

”ذکو عن مکحول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ربا بین المسلمین و بین اهل دار الحرب فی دار الحرب و هذا الحدیث وان کان مرسلًا فمکحول فقیہ ثقة والمرسل من مثله مقبول و هو دلیل لابی حنیفہؒ و محمدؒ“  
 (مکحول سے نقل ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مسلمانوں اور دارالحرب میں رہنے والوں کے درمیان دارالحرب میں ربا نہیں ہے۔ یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے، مگر مکحول فقیہ ہے اور ثقہ ہے اور ایسے راوی کی مرسل حدیث مقبول ہوتی ہے۔ یہ حدیث ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کی دلیل ہے)

امام سرخسیؒ نے یہ روایت لفظ ذکر کے ساتھ بغیر اسناد کے نقل کی ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ مکحول الشامی دمشقی (متوفی ۱۱۶ھ) ثقہ تابعی تھے اور فقیہ بھی تھے۔ مگر ثقہ تابعی

لے المبسوط ص ۵ جلد ۱۴ از سرخسی لے تاریخ الثقات للعلی متوفی ۳۶۱ھ طبع ۱۹۸۲ء ص ۴۳۹ کتاب

الثقات لابن حبان متوفی ۳۵۴ھ ص ۴۳۹ جلد ۵۔ التندیب لابن حجر ص ۲۹۹ تا ص ۲۹۲ جلد ۱۰

کی حدیث مرسل کے حجت ہونے میں اختلاف ہے۔ اتفاق رائے نہیں ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک ثقہ تابعی کی مرسل مقبول ہوتی ہے، لیکن یہ اس صورت میں مقبول ہوتی ہے جب سند میں دوسری کوئی علت موجود نہ ہو۔ جب تک اس کی پوری سند سامنے نہ ہو تو اس کے قبول یا رد کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی سند امام شافعیؒ نے اس طرح نقل کی ہے :

”قال ابو یوسفؒ انما اَخلَّ ابو حنیفۃؒ لان بعض المشیخۃ حدثنابن کحول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انه قال لا درابین اهل الحرب واهل الاسلام۔ قال الشافعیؒ وهذا لیس بثابت فلا حجة فیہ۔“ لہ

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ابو یوسفؒ نے کہا ہے کہ ابوحنیفہؒ نے دارالحرب میں سود کو اس لیے حلال قرار دیا ہے کہ بعض اساتذہ نے ہمیں یہ حدیث بتائی ہے کہ کحولؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ اہل حرب اور اہل اسلام کے درمیان ربا نہیں ہے، مگر امام شافعیؒ نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

علامہ جمال الدین زلیخیؒ حنفی (متوفی ۷۲۷ھ) نے بھی امام بیہقیؒ کی کتاب ”المعرفة فی السنن والآثار“ کے حوالے سے امام شافعیؒ کا درج بالا نقل کیا ہے کہ حدیث ثابت نہیں ہے اور حجت نہیں بن سکتی اور اس قول کی تردید نہیں کی گئی۔

”کتاب الام للشافعیؒ اور المعرفة فی السنن والآثار“ للبیہقیؒ کے مذکورہ حوالوں سے

لہ کتاب الام للامام الشافعیؒ طبع بیروت ۱۹۷۳ء ص ۳۵۸، ۳۵۹ جلد ۷

لہ نصب اللایۃ للزلیخیؒ طبع ۱۹۳۸ء ص ۴۴ جلد ۴ و مثله فی الدرر ایہ لان مجروح

اس حدیث کی سند یہ معلوم ہوئی کہ امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ بعض مجہول الاسم اور مجہول الحال اساتذہ سے نقل کرتے ہیں اور یہ نامعلوم استاد امام مجہولؒ سے نقل کرتے ہیں اور مجہول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جب ابو یوسفؒ کو یہ حدیث معلوم تھی اور وہ خود اس کے راوی تھے تو پھر انہوں نے دار الحرب میں جواز ربا کا فوسق کیوں نہیں دیا اور حدیث کے خلاف رائے کیوں قائم کی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے "بعض المشیخہ" کا لفظ استعمال کر کے خود اس کے ضعف کی طرف اشارہ فرما دیا ہے۔ اس لیے کہ مجہولؒ تو یقیناً ثقہ تابعی تھے، مگر اس سے نقل کرنے والا راوی مجہول ہے اور مجہول راوی کی روایت حجت نہیں ہوتی۔ اگر یہ حدیث مرسل نہ ہوتی، بلکہ متصل ہوتی، پھر بھی حجت نہیں بن سکتی، اس لیے کہ اس کی سند کے ایک راوی مجہول ہیں۔ امام نوویؒ نے "التقریب" میں اور سیوطیؒ نے تقریب کی شرح "تدریب" میں لکھا ہے کہ اگر کوئی حدیث "حدیثی ثقہ" (میرے سامنے ایک ثقہ راوی نے بیان کیا تھا) کے الفاظ کے ساتھ نقل ہوئی ہو تو صحیح تحقیق یہی ہے کہ وہ بھی حجت نہیں بن سکتی اور یہاں تو ثقہ کا لفظ بھی نہیں آیا، بلکہ "حدیثنا بعض المشیخہ" کا لفظ آیا ہے۔ اگر یہ مجہول الاسم شیخ ابو یوسفؒ کے نزدیک ثقہ ہوتے تو اس کا نام لیتے اور حدیث پر عمل بھی کرتے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں اس حدیث کو حجت تسلیم نہیں کرتے۔ اگر زلیحی حنفی اس سے متفق نہ ہوتے تو اس کا جواب دیتے۔

ابن قدامہ حنبلی (متوفی ۶۲۰) دار الحرب میں بھی حرمت ربا کے اثبات میں لکھتے ہیں،

• ولنا قول الله تعالى وحرم الربا وقوله الَّذِينَ يَأْكُمُونَ الرِّبَا لَا يَتَّخِذُونَ  
 إِلَّا مَا يَقْتَضِيهِ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسْئِمْ وَقَالَ تَعَالَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ  
 آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا وَإِذَا عَمِمْتُمْ تَحْرِيمِ  
 التَّفَاضُلِ وَقَوْلُهُ مِنْ زَادَ إِزْدَادٌ فَقَدْ إِذِنَ عَامٌّ وَكَذَلِكَ سَائِرُ

الاحادیث ولان ما کان محرماً فی دار الاسلام کان محرماً فی دار الحرب  
 کالربا بین المسلمین وخبیرہم مرسل لان من صحتہ ولا یجوز تواترہ  
 ما وردہ بتعمیرہ القوآن و تظاہرت بہ السنۃ و انفقہ الاجماع بتعمیرہ  
 بخبیرہم جہول لم یرد فی صحیح ولا مستند ولا کتاب مرثوی بہ سہ  
 (ہماری دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے کہ "اُس نے سو حرام کیا ہے" اور یہ قول کہ  
 "جو لوگ سو کھاتے ہیں وہ قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جس طرح کہ وہ شخص  
 اٹھتا ہے جسے خطی بنا دیا ہو شیطان نے جنون کی وجہ سے)

اور یہ قول کہ "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑو جو بقایا ہو سو وہ  
 سے" اور ہماری دلیل اُن احادیثِ رسول کا عموم بھی ہے جو سو کی حرمت  
 پر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً یہ قولِ رسول کہ جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا،  
 تو اُس نے سو دیا اور دیا، اسی مضمون کی دوسری احادیث بھی ہماری دلیل ہیں۔  
 اور جائزہ کہنے والوں نے جو حدیث پیش کی ہے وہ ایک مرسل حدیث ہے  
 جس کی صحت ہمیں معلوم نہیں ہے۔ سو کی حرمت پر دلالت کرنے والی  
 آیات اور احادیثِ کثیرہ کو اور حرمتِ ربا پر منعقد ہونے والے اجماع کو  
 ایسی مجہول حدیث کی بنا پر ترک کرنا جائز نہیں ہے جو کسی صحیح اور متصل  
 سند کے ساتھ نقل بھی نہیں ہوئی اور کسی معتد کتاب میں اس کا ذکر بھی  
 نہیں ہوا۔"

ابن قدامہ مشہور محدث اور فقیہ ہیں۔ اس حدیث پر ان کے نقد کا حاصل یہ ہے  
 کہ یہ حدیث مرسل بھی ہے، مجہول بھی ہے اور کسی صحیح سند اور معتد کتاب میں نقل بھی نہیں

ہوتی، لہذا اس کی بنا پر آیات قرآنیہ، اعاذیث کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت شدہ حرمت پر باہمی تخصیص نہیں کی جاسکتی اور نہ نصوص کے عموم کو ترک کیا جاسکتا ہے۔

دوسرے مشہور محدث اور فقیہ امام نووی (متوفی ۶۷۶ھ) کہتے ہیں:

”ولا فوق فی تحریمہ بین دارالاسلام ودارالحرب فما کان حراماً فی

دارالاسلام کان حراماً فی دارالحرب سواءً جرت علیٰ بین مسلمین او مسلم

وحرابی سواءً دخل المسلم بامان ام بغیرہ ہذا مذهبنا وبہ قال

مالک و احمد و ابو یوسف و الجھور وقال ابو حنیفہ لا یحرم التراب

فی دارالحرب بین المسلم و اهل الحرب ولا بین مسلمین لم یہاجروا منها

و اخرج ما ندی عن مکحول عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ربا بین

مسلم و حربی فی دارالحرب و الجواب انه موصل ضعیف“

(سود کے حرام ہونے میں دارالاسلام اور دارالحرب کے درمیان کوئی فرق نہیں

ہے۔ جو چیز دارالاسلام میں حرام ہو وہ دارالحرب میں بھی حرام ہوتی ہے،

خواہ مسلمانوں کے درمیان ہو یا مسلمان اور حربی کے درمیان ہو۔ خواہ مسلمان

دارالحرب میں امان لے کر داخل ہوا ہو یا بغیر امان کے داخل ہوا ہو۔ یہ ہمارا

مسک ہے (شافیہ کا) اور امام مالک، امام احمد، امام ابو یوسف اور عمور

کا قول بھی یہی ہے، مگر ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب

میں سود حرام نہیں ہے اور ان دو مسلمانوں کے درمیان بھی حرام نہیں ہے

جنہوں نے ہجرت نہ کی ہو۔ انہوں نے اس روایت کو حجت بنایا ہے کہ

مکحول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں، مسلمان اور حربی کے

درمیان دارالحرب میں سود حرام نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث  
مرسل بھی ہے اور ضعیف بھی ہے)

مشہور حنفی فقیہ ابن الہمام نے جواز کے مسلک کی کھل کر توثیق نہیں کی، مگر اس  
حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں :

”وخذ لا یقید لمعارضۃ اطلاق النصوص الابد ثبوت حجیۃ حدیث  
مکحولٌ وقد یقال لو سلم حجیۃ فالزیادۃ بخبر الواحد لا تجوز واثبات  
قید علی المطلق من نحو لانا کما لو با و نحو یہ هو الزیادۃ“ لہ  
دارالحرب میں جوازِ ربا کی یہ وجہ مفید ثابت نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ حرمت  
ربا کی مطلق اور عام نصوص سے یہ دلیل ٹکراتی ہے اور یہ حدیث یعنی ’لا ربا  
بین المسلم والمحرنی‘ نصوصِ مطلقہ کے مقابلے میں اسی وقت پیش کی جا سکتی  
ہے جبکہ یہ صحیح اور قوی ہو، بلکہ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ حدیث قابل  
قبول ہے پھر بھی چونکہ یہ خبر واحد ہے جس کے ذریعے مطلق پر زائد قید  
لگانا جائز نہیں ہے اور لانا کما لو ربا اور اس مفہوم کی دوسری آیات مطلق  
ہیں جن پر کوئی قید لگانا جائز نہیں ہے) (مثلاً یہ قید کہ صرف دارالاسلام  
میں سود نہ کھاؤ)

ابن الہمام حنفی کی اس عبارت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک  
اس حدیث کی صحت مشکوک ہے، اور اگر صحیح بھی ہو پھر بھی یہ خبر واحد ہے اور اس کی بنا  
پر سود کی حرمت کو دارالاسلام کی قید کے ساتھ مقید کرنا خود حنفی اصول کی رو سے جائز  
نہیں ہے۔

مذکورہ اسنادی بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث حرمتِ ربا کے بارے میں قطعی اور عام و مطلق نصوص کے مقابلے میں سرے سے قابلِ استدلال ہی نہیں ہے۔ چونکہ شافعی، مالکی، احمدی اور جمہور کی رائے سے امام ابو یوسفؒ بھی اتفاق کرتے ہیں جو حنفی امام تھے، بلکہ امام ابو حنیفہؒ کے جانشین تھے، اس لیے ان کی رائے پر فتویٰ اور فیصلہ دینا حنفی مسلک سے خروج بھی نہیں ہے۔ علامہ شامیؒ نے "عادی المقدسی" کے حوالے سے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کے درمیان جب اختلاف رائے ہو تو اہل نظر کے لیے جائز ہے کہ اسی رائے کو اختیار کریں جس کی دلیل مضبوط ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۷ مسائل میں امام زفرؒ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ لیکن بالفرض اگر یہ حدیث قابلِ استدلال تسلیم بھی کر لی جائے پھر بھی اس کے الفاظ دار الحرب میں جوازِ ربا پر صراحتاً دلالت نہیں کرتے، بلکہ ان میں تاویل کی گنجائش موجود ہے اور نصوص مطلقہ کے ساتھ تعارض و تناقض کو رفع کرنے کے لیے احتمالی تاویلات کو بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ ان تاویلات میں سے ایک تاویل کا ذکر ابن قدامہ حنبلی اور امام نووی نے بھی کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ 'لا ربا' میں حرف 'لا' نفعی حرمت کے لیے نہیں ہے، بلکہ نفعی کے جواز کے لیے ہے، یعنی سودِ حربی اور مسلمان کے درمیان بھی جائز نہیں ہے جس طرح کہ مسلمان اور مسلمان کے درمیان جائز نہیں ہے اور دار الحرب میں بھی جائز نہیں ہے جس طرح کہ دارالاسلام میں جائز نہیں ہے۔ اور اس ہی کا مقصد اس وہم اور شبہ کا ازالہ ہے کہ شاید حربی کے ساتھ دار الحرب میں سودی کا دوبار جائز ہوگا، اس لیے کہ ان کے ساتھ جنگ کرنا اور ان کے اموال پر میدانِ جنگ میں قبضہ کرنا اور پھر مجاہدین میں حسبِ قاعدہ تقسیم کرنا جائز ہے تو اس وہم و شبہ کے ازالے کے لیے فرمایا کہ "لا ربا بین المسلم والمغربی فی دار الحرب" یعنی سودی معاہدے

کو مالِ غنیمت یا مالِ قتی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ مال عقدہ بابا کے ذریعے حاصل کیا گیا ہے۔ اہد عقدہ ربا دار الحرب میں بھی جائز نہیں ہے۔ اس کے برعکس مالِ غنیمت اور مالِ فتنی جنگ یا صلح کے ذریعے حاصل کیا گیا ہے جو جائز ہے۔ لاربا کی اس تاویل کی مثال یہ آیت ہے کہ فَلَا رَفْثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ اس آیت میں فَلَا رَفْثَ میں حرفِ نفی ہی اور رفث کے معنوں میں آیا ہے۔ ۱۔

مگر امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ حدیث کی اس تاویل کے قائل نہیں ہیں، اس لیے کہ السیر الکبیر اور بیسوط سرخسی میں تصریح ہے کہ دار الحرب میں ربا حلال اور طیب ہے۔

اس حدیث کی دوسری تاویل یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ دار الحرب میں سود کے جواز کا مطلب عند اللہ جائز اور حلال ہونا نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دارالاسلام کے قاضی کے اختیارات چونکہ دار الحرب میں نافذ نہیں ہیں، اس لیے اگر کسی مسلمان نے دار الحرب میں جا کر کسی حربی کے ساتھ سودی معاملہ یا کوئی دوسرا غیر شرعی معاملہ کیا ہو تو قاضی اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گا، اگرچہ عند اللہ وہ گنہگار ہوگا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے شیخ مولانا محمد یعقوبؒ سے یہ تاویل نقل کی ہے،

”معناه انه لو اخذ مسلمٌ ودينه بدوهم من المحربي في دار الحرب لم يتعرض له الامام كما لا يحدو اذا زنى في دار الحرب فخذ اهو معنى جواز هذه المعاملة عند“ ۲۔

(اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسی مسلمان نے حربی سے ایک درہم کے بدلے میں دو درہم لے لیے تو مسلمانوں کا حکمران اس سے تعرض نہیں کرے گا،

۱۔ المغنی لابن قدامہ ص ۳۳ جلد ۲ شرح المنذوب للنووی ص ۲۶۸ جلد ۹

۲۔ اعلام السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی ص ۲۴۳ جلد ۱۲



جیسا کہ اگر اس نے دارالحرب میں زنا کیا ہو تو اس پر حد زنا جاری نہیں کرے گا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس معاملے کے جواز کے معنی یہی ہیں) مولانا مودودیؒ نے بھی امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی یہی توجیہ کی ہے۔ لے

لیکن یہ تاویل حدیث کے الفاظ میں تو بتکلف کی جاسکتی ہے، اگرچہ لاربا کے ظاہری معنی یہ نہیں بن سکتے، مگر امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کی یہ توجیہ و تاویل تو بالکل نہیں کی جاسکتی، اس لیے کہ السیر الکبیر اور مبسوط میں امام محمدؒ نے بغیر کسی ابہام کے تصریح کی ہے کہ دارالحرب میں حربی کافر کا مال جس ذریعے سے بھی حاصل کیا گیا ہو حلال و طیب ہے، بشرطیکہ حد شکنی اور دھوکہ دہی نہ ہوئی ہو۔

تیسری توجیہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ حربی سے مراد ہر غیر ذمی کافر نہیں ہے اور دارالحرب سے مراد ہر دارالکفر نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد برسرِ جنگ قوم کافر ہے۔ ظاہر ہے کہ حالتِ جنگ میں دشمن کے اموال و نفس حرام نہیں ہوتے، بلکہ حلال ہوتے ہیں۔ جن ممالک کے ساتھ اسلامی حکومت کے معاہدے ہوں اور حالتِ جنگ نہ ہو بلکہ دونوں کے درمیان امن و امان کی حالت ہو تو ایسی صورت میں ان کے اموال و نفس حرام ہوتے ہیں، مباح اور حلال نہیں ہوتے تو ان کے اموال پر عقود فاسد کے ذریعے قبضہ بھی مباح اور حلال نہیں ہو سکتا۔ آج مسلمان ممالک اور غیر مسلم ممالک کے درمیان اقوام متحدہ کے منشور پر دستخط کرنے کی وجہ سے معاہدے ہیں، لہذا یہ غیر اسلامی حکومتیں تو ہیں مگر دارالحرب نہیں ہیں اور حدیث مذکور میں حربی اور دارالحرب کے الفاظ آتے ہیں مطلق کافر اور دارالکفر کے الفاظ نہیں آتے۔

دوسری دلیل امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے مسلک کے ثبوت میں یہ پیش کی گئی

ہے، بلکہ اسی کو اصل دلیل قرار دیا گیا ہے کہ ”حربی کافر کا مال مسلمان کے لیے مباح ہے“ لیکن اس کی کوئی دلیل قرآن و سنت میں نہیں ہے کہ حربی کافر کا مال مسلمان کے لیے مطلقاً حلال ہے خواہ شرعی طریقے سے حاصل کیا گیا ہو یا غیر شرعی طریقے سے حاصل کیا گیا ہو۔ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ دار الحرب کے کفار کی ملکیت معتبر ہے تو جب وہ اپنے اموال کے مالک ہیں اور شریعت نے ان کی ملکیت تسلیم بھی کی ہے، تو ان کی یہ ملکیت مسلمان کی طرف اسی وقت منتقل ہو سکتی ہے جبکہ جائز ذرائع سے یہ انتقال ہوا ہو۔ کافر کے مذہب میں اگر کوئی معاملہ جائز بھی ہو، مگر جب دین اسلام میں وہ جائز نہ ہو تو کوئی مسلمان اس ناجائز ذریعے سے حربی کے اموال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ عقد ربا اسلام میں حرام ہے تو اس عقد کے ذریعے حاصل کردہ مال بھی حرام ہے۔ حربی کا جو مال مسلمانوں کے لیے قرآن و سنت میں مباح اور حلال کیا گیا ہے وہ مالِ غنیمت اور مالِ فتنی ہے جو اسلامی حکومت کے اختیار میں دیا گیا ہے جسے وہ شرعی طریقے پر تقسیم کرے گی اور مصارفِ فتنی پر خرچ کرے گی۔ مالِ غنیمت جنگ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جو جائز شرعی طریقہ ہے اور مالِ فتنی صلح کے ذریعے حاصل ہوتا ہے یا کفار کے چلے جانے سے مسلمانوں کے قبضے میں آتا ہے۔ اور یہ بھی جائز شرعی طریقہ ہے۔ اموالِ غنیمت کے بارے میں سورۃ الانفال میں احکام اور ہدایات دی گئی ہیں اور تفصیلات احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنتِ خلفائے راشدین میں بیان ہوئی ہیں اور اموالِ فتنی کے لیے سورۃ الحشر میں مصارف بیان ہوتے ہیں۔ ربا اور قمار یا دوسرے غیر اسلامی معاہدوں کے ذریعے حربی کا جو مال مسلمانوں کے قبضے میں آئے خواہ وہ متامن ہو یا دار الحرب کا شہری ہو اس کے مباح ہونے کی آخر دلیل کیا ہے؟ یہ نہ مالِ غنیمت ہے نہ مالِ فتنی ہے، نہ جنگ کی گھاس اور دریا کے پانی کی طرح ہے کہ کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ کافرنے اسے تحفے اور ہدیے میں دیا ہے، بلکہ سودی معاہدے کے ذریعے حاصل

ہوا ہے۔ سو چونکہ کافر کے نزدیک جائز ہے، اس لیے وہ اس معاہدے پر راضی بھی ہے؛ لیکن مسلمان کے عقیدے اور مذہب میں تو حلال نہیں ہے، تو اس کے لیے آخر کس بنیاد پر مباح ہو سکتا ہے؟ ہاں اگر عین حالتِ جنگ میں یہ سودی معاملہ دار الحرب کی حدود کے اندر ہوا ہو تو اسے مالِ غنیمت یا مالِ فِیْئِی پر قیاس کرنے کی کوئی وجہ تلاش کی جاسکتی ہے؛ مگر حالتِ امن میں دار الحرب کے اندر جا کر حربی سے سودی معاہدے کرنا اور اس غیر شرعی معاہدے کے ذریعے اس کا مال لینا تو کسی طرح بھی مالِ غنیمت یا مالِ فِیْئِی سے مشابہت نہیں رکھتا، تاکہ اسے "مباح" قرار دیا جائے۔ پھر سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر حربی کا مال فی نفسہ مباح ہے اور اس کی علت اس کا حربی ہونا ہے، تو پھر بسوٹ اور دوسری کتابوں میں یہ شرط کیوں لگائی گئی ہے کہ یہ مال غدر، عمد شکنی، چوری، غصب اور رہزنی کے ذریعے حاصل نہ کیا گیا ہو ورنہ حرام ہوگا؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ غدر اور عمد شکنی اسلام میں حرام ہے تو جس طرح غدر حرام ہے اسی طرح ربا بھی حرام ہے۔ ایک فعلِ حرام کے ذریعے لیے گئے مال کو حرام کہنا اور دوسرے فعلِ حرام کے ذریعے حاصل کردہ مال، یعنی سود کو حلالِ طیب کہنا تو کھلا تضاد ہے۔ یا تو یہ کہنا چاہیے کہ حربی کا مال فی نفسہ حلال ہے جس ذریعے سے بھی لیا جائے حلال ہوگا خواہ وہ ذریعہ اسلام میں جائز ہو مثلاً جہاد اور صلح۔ یا ناجائز ہو مثلاً غدر اور رہزنی، لیکن ایسا تو کسی نے نہیں کہا یا پھر یہ کہا جائے کہ حربی کا مال اگر شرعی طریقے پر حاصل کیا گیا ہو جیسے مالِ غنیمت اور مالِ فِیْئِی تو وہ حلال ہوگا۔ اور جب غیر شرعی طریقے پر حاصل کیا گیا ہو جیسے غدر، رہزنی اور سودی معاملہ تو پھر حرام ہوگا۔ جیسا کہ جمہور کا مسلک یہی ہے۔

صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت ابو بصیرؓ اور اس کے ساتھی مدینہ کی اسلامی

بیاست کی حدود سے باہر دریا کے کنارے پر رہتے تھے اور قریش مکہ کے قافلوں کو لوٹتے تھے لیکن اس روایت کو اگر کوئی حربی مال کے مباح ہونے کی دلیل بنا تا ہے

صحیح بخاری کتاب الشوط باب الشروط فی الجہاد والمصالحتہ مع اہل الحرب رقم الحدیث ۲۵۸۱

تو پھر اسے یہ بھی جائز قرار دینا چاہیے کہ حربی کا مال غصب کرنا اور لوٹنا بھی جائز ہے اور مشائخ کے لیے دار الحرب میں حربی کفار کو قتل کرنا بھی جائز ہے، اس لیے کہ بخاری کی اس روایت میں آیا ہے کہ "فقتلوا ما أخذوا أموالهم" (انہیں بھی قتل کر دیتے تھے اور ان کے اموال بھی لے لیتے تھے) حالانکہ فقہاء میں سے دار الحرب میں امان لے کر جانے والے مسلمان کے لیے حربی کے قتل کرنے کو اور اس کا مال لوٹنے کو کوئی بھی جائز نہ کہتا۔ نہ امام ابو حنیفہؒ اور نہ دوسرے ائمہؒ۔ اصل میں اس معاملے کا تعلق زیر بحث مسئلے سے نہیں ہے بلکہ یہ جنگ سے متعلق ہے۔ صلح حدیبیہ کی شرط کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کے پابند تھے کہ مکہ سے آنے والوں کو واپس بھیج دیں، مگر مکہ کے مستضعفین و مظلومین اس معاہدے کے پابند نہیں تھے۔ قریش مکہ ان پر ظلم کرتے تھے اس لیے ان مظلومین میں سے جو مکے سے نکل سکتے تھے وہ نکل کر دریا کے کنارے قریش مکہ کے تھارتی راستے پر جا کر بیٹھ جاتے اور ان کے قافلوں پر حملہ کرتے حقیقت میں ان کے درمیان اور کفار مکہ کے درمیان جنگ تھی اور جنگ کی حالت میں دشمن کو معاشی طور پر نقصان پہنچانا جنگ کا حقہ سمجھا جاتا ہے۔ مسلمان معاہدے کی وجہ سے ان کی کوئی مدد بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان کو مدینہ آنے کی اجازت بھی نہیں دے سکتے تھے، یہاں تک کہ قریش مکہ نے خود تنگ آکر یہ شرط ختم کر دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ابو بصرہؓ اور اس کے ساتھیوں کو اپنے پاس بلا لیجیے، چنانچہ فتح الباری میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط حضرت ابو بصرہ کو پہنچا تو خط ان کے ہاتھ میں تھا کہ فوت ہو گئے۔ ابو جندلؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور وہ ویسے دفن کر دیے گئے اور باقی ساتھی مدینہ تشریف لے آئے۔ اس کے بعد جو بھی مسلمان ہو جاتا تو مدینہ آجاتا، کیونکہ واپس بھیجنے کی شرط قریش نے خود ختم کر دی تھی۔ صحیح بخاری کی اسی مذکورہ حدیث میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کے بارے میں آیا

ہے کہ :

”وكان المغيرة صعب قومًا في الجاهلية فقتلهم واخذ اموالهم ثم  
 جاد فاسلم فقال النبي اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منه في شي<sup>لہ</sup>  
 (مغیرہ بن شعبہؓ جاہلیت کے دور میں ایک گروہ کے ساتھ راستے میں جا رہا  
 تھا تو اس نے ان کو قتل کر دیا اور ان کا مال لے کر مدینہ آیا اور مسلمان  
 ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا اسلام تو قبول ہے، لیکن  
 اس مال سے میرا کچھ تعلق نہیں ہے)

فتح الباری میں ابن حجر نے تفصیل دی ہے کہ یہ ساتھی تیرہ افراد تھے جو شاہ  
 مقوقس سے ملنے گئے تھے۔ شاہ مصر نے باقی ساتھیوں کو تو بڑے بڑے تحفے دیے  
 تھے، مگر مغیرہ بن شعبہ کو کچھ زیادہ قیمتی تحفے نہیں دیے تھے، چنانچہ مصر سے واپس آتے  
 وقت راستے میں ایک جگہ اُس کے ساتھیوں نے بہت زیادہ شراب پی لی تھی اور مدہوش  
 پڑے تھے۔ اس حالت سے فائدہ اٹھا کر مغیرہ نے ان سب کو قتل کر دیا اور مال لے کر  
 مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے۔ یہ فعل چونکہ کفر کی حالت میں کیا تھا اور اسے اسلام کا  
 محکم معلوم نہیں تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سزا بھی نہیں دی اور  
 مال بھی دارالحرب کو واپس نہیں کیا، لیکن اس پر اپنی ناراضگی کا اظہار کر دیا۔ اس واقعے  
 سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حربی کا مال مطلقاً مباح نہیں ہے بلکہ حالت جنگ میں مباح  
 ہے۔

اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حربی کفار کا مال دارالحرب میں مسلمانوں کے  
 لیے جائز ہے تو ابن العمام حنفیؒ اور ابن عابدین شافعیؒ نے لکھا ہے کہ اس کا تقاضا تو

پھر یہ ہے کہ حربی کو سود دینا جائز نہ ہو صرف ان سے لینا جائز ہو، اس لیے کہ ان کا مال (سودی) اگر ہمارے لیے جائز بھی ہو اپنا مال (سود) تو ان کو دینا جائز نہیں ہے۔ ہمارے اساتذہ درسوں میں تو یہی کہتے ہیں کہ سود اور جوئے کا مال حربی کفار سے لینا جائز ہے، مگر ان کو دینا جائز نہیں ہے، لیکن امام ابوحنیفہ کا مسک تو مطلقاً نقل ہوا ہے کہ لینا اور دینا دونوں جائز ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۔

ایرانیوں کے مقابلے میں رومیوں کے غالب آجانے کی پیشین گوئی کے موقع پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آبی ۲، خلف کے ساتھ ستواڑنٹوں کی جو شرط لگائی تھی، یعنی جوئے کا معاملہ کیا تھا اس کو بھی دارالحرب میں عقودِ فاسدہ کے جواز کی دلیل بنایا گیا ہے۔ اسی طرح حضرت عباسؓ مکہ میں جو سودی کاروبار کرتے تھے اسے بھی دلیل قرار دیا گیا ہے اور بنو نضیر کی جلا وطنی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو یہ ارشاد نقل ہوا ہے کہ اپنے قرضوں کی مقدار میں کمی کر دو اور وقت سے پہلے لے لو۔ اس کو بھی جوازِ ربانی دارالحرب کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے۔ ۲۔

لیکن ان تینوں دلائل پر میرا تبصرہ عدالت کے سود کے خاتمے کے بارے میں فیصلے کے ضمنیہ الف میں سوال نمبر ۷ کے جواب میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اس لیے یہاں ان دلائل پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پچھی دلیل امام محمدؒ اور شریعی نے اس طرح پیش فرمائی ہے کہ:

”واستدل بمصارعة رسول الله صلی الله علیہ وسلم ابن نکانہ

کان بمكة ثلاث موات فی کل موة بثلاث غنمہ ولو کان مکروحا

۱۔ فتح القدیر ص ۲۹۱ جلد ۷ باب الربا، رد المحتار ص ۲۶۰، ۲۶۱ جلد ۴

۲۔ السیة الکبیرة للإمام محمد مع شرح للشرعی ص ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۸ جلد ۴ والمبسوط للشرعی

ص ۵ جلد ۱۳

ما فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم لما صرعه في المروءة  
الثالثة قال ما وضع احدٌ جنبي قط وما انت صرعتني فردد رسول  
الله صلى الله عليه وسلم الغنم عليه " له

دار الحرب میں عقودِ فاسدہ اور حربی کے مال کے مباح ہونے کے لیے  
یہ واقعہ بھی دلیل بن سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں رکانہ  
کے بیٹے کو تین مرتبہ کشتی میں شکست دی تھی اور ہر مرتبہ ابن رکانہ کی بھیڑ  
بکریوں کے ایک تہائی حصے یا کی شرط لگائی گئی تھی۔ اگر یہ شرط لگانا (جو  
جواب ہے) مکروہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام نہ کرتے۔ پھر جب  
تیسری مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پچھاڑا تو اس نے کہا مجھے  
اب تک کسی نے نہیں گرایا، دراصل آپ نے مجھے نہیں گرایا (بلکہ یہ کہ آپ  
کی مدد کی گئی ہے)، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی  
بھیڑ بکریاں اسے واپس لوٹا دیں)

اس واقعے پر استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ مقابلے میں شرط لگانا اور بازی لگانا  
جوا (قمار) ہے، لیکن باوجود اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقابلے میں  
شرکت کی اس لیے کہ ابن رکانہ حربی کافر تھا، بھی مسلمان نہیں ہوا تھا اور حربی کا مال عقود  
فاسدہ کے ذریعے جائز ہے اور یہ مقابلہ مکہ مکرمہ میں ہوا تھا جو دار الحرب تھا۔ یہ ہے  
وہ استدلال جسے میں مذکورہ بالا عبارت سے سمجھ سکا ہوں، مگر اس واقعے پر کئی وجوہ

شرح السیر الکبیر مع الشرح ص ۱۴۱، ۱۴۲، جلد ۴ والمبسوط للسخری ص ۵۵ جلد ۱۲ باب الصرف فی دار الحرب  
شرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ کے بیٹے کو نہیں، بلکہ رکانہ کو دو بار شکست دی۔ رکانہ کا نام  
اس طرح ہے، رکانہ بن عبد بنیزید بن ہاشم بن عبد المطلب بن عبد مناف۔ نیز یہ کہ ابن ہشام نے  
شرط لگانے کا ذکر نہیں کیا۔ سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۳۹۵۔ ترجمہ طبع لاہور (ادارہ)

سے استدلال درست نہیں ہے؛

(الف) پہلی وجہ تو یہ ہے کہ مقابلے میں جب ایک جانب سے مال کی شرط لگائی گئی ہو اور دوسری جانب سے کوئی چیز واڈ پر نہ لگائی گئی ہو تو یہ صورت قمار اور جوئے کی نہیں ہے، بلکہ جانتہ ہے تو اسے دارالہرب میں جو اکیلنے کے جواز کے لیے دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

(ب) دوسری وجہ یہ ہے کہ سیر کبیر اور مبسوط میں تصریح ہے کہ یہ مقابلہ مکہ مکرمہ میں ہوا تھا اور کوئی تفصیل نہیں دی گئی کہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے یا فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اگر قبل از ہجرت کا واقعہ ہے تو اس وقت جوئے، شراب اور سود کی حرمت کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا۔ اگر اس کو جو سمجھ بھی لیا جائے پھر بھی یہ واقعہ جواز کی دلیل نہیں بن سکتا، لیکن اگر فتح مکہ کے بعد کا واقعہ ہے تو اس وقت مکہ دارالاسلام بن چکا تھا۔ اور دارالاسلام میں تو کافر کے ساتھ جو اکیلنا بالاتفاق حرام ہے۔ تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ مقابلہ مکہ میں فتح مکہ سے قبل اور ہجرت کے بعد اس درمیانی دور میں ہوا ہو، جبکہ جوئے کی حرمت کی آیت نازل ہو چکی تھی مگر اس درمیانی مدت میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو مرتبہ مکہ تشریف لائے تھے۔ ایک مرتبہ عمرہ الحدیسیہ کے سال ۶۰ھ میں اور دوسری مرتبہ عمرہ القضاء کے لیے ۶۲ھ میں۔ ان دونوں اسفار کی مکمل تعداد بخاری، مسلم اور سیرت و حدیث کی دوسری کتابوں میں نقل ہوئی ہے اور کسی ایک روایت میں بھی اس مقابلے کا ذکر نہیں ہوا۔

(ج) تیسری وجہ یہ ہے کہ اس روایت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ بھڑ بکریاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دی تھیں، یعنی اس کے پاس ہی رہنے دی تھیں۔ شرط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں لگائی تھی، بلکہ ابن مسعود نے انہوں



لگادی تھی، مگر بکریاں پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصول نہیں کی تھیں۔  
آخر اس مقابلے کو دارالحرب میں حربی کافر کے ساتھ جو اکیلے کی دلیل کس طرح  
بنایا جاسکتا ہے؟ میں اسے نہیں سمجھ سکا۔

(۵) چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث میں شدید اضطراب ہے جسے رفع کرنا بہت مشکل  
ہے۔

التیغ الکبیر کی مذکورہ روایت میں اور ابن حجر نے خطیب بغدادی کی "المؤتلف" کے  
حوالے سے ابن عباسؓ کی جو روایت نقل کی ہے اس میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کو کشتی لڑنے کی دعوت رکبانہ کے بیٹے یزید نے دی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے تین مرتبہ اُسے پچھاڑ دیا تھا۔ اس نے ہر مرتبہ سو سو بکریوں کی شرط لگائی تھی  
مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں اسے واپس لوٹا دی تھیں۔ مقابلہ ہارنے کے  
وقت ہی وہ مسلمان ہو گئے تھے اور صحابی تھے۔

امام بخاریؒ نے التاریخ الکبیر میں، امام ابو داؤدؒ نے سنن میں، امام ترمذیؒ نے اور  
امام حاکمؒ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ آتے ہیں،  
"بَانَ رِکَابَانَهُ صَارَعَ النَّبِيُّ فَصَوَّعَهُ النَّبِيُّ"۔

(رکبانہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کشتی لڑنے کی دعوت دی تھی اور رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے پچھاڑ دیا تھا)

لحہ الاصابہ لابن حجر ص ۶۵ جلد ۲ ترجمہ نمبر ۹۲۵۹

لحہ التاریخ الکبیر لایام البخاری طبع بیروت القسم الاول ص ۳۳۷، ۳۳۸ جلد ۲ ترجمہ نمبر ۱۱۴۶

سنن ابوداؤد کتاب اللباس باب العائم رقم الحدیث ۴۰۷۸

سنن ترمذی کتاب اللباس باب العائم علی القناس باب نمبر ۴۱ حدیث نمبر ۱۸۴۴

صحفہ الاموی ص ۴۸۲ جلد ۵، المستدرک للحاکم ص ۴۵۲ جلد ۲

اس روایت میں نہ بکریوں کی شرط لگانے کا ذکر ہوا ہے اور نہ مقابلے کی جگہ کا ذکر ہوا ہے۔ البتہ ابن حجر نے البلاذری کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے اس میں آیا ہے کہ :

” قَدِمَ رِكَانَهُ مِنْ سَفَرٍ فَأَخْبَرَ خَيْرَ النَّبِيِّ فَلَقِيهِ فِي بَعْضِ جِبَالِ مَكَّةَ فَقَالَ يَا ابْنَ أُمِّ بَلْفَغَى عِنَّا شَيْئٌ فَإِنْ صِرَعْتَنِي عَلِمْتُ أَنَّكَ صَادِقٌ فَصَارَعَهُ فَصَرَعَهُ النَّبِيُّ وَأَسْلَمَ رِكَانَهُ فِي الْقَمَحِ وَقِيلَ إِنَّهُ اسْلَمَ عَقِبَ مِصَارَعَتِهِ“<sup>۱</sup>

رِكَانَہ سفر سے واپس آئے تو انہیں نبی کی خبر دی گئی۔ یہ آپ سے مکہ کے ایک پہاڑ میں ملے اور کہا اے بھتیجے! مجھے تیرے بارے میں ایک خبر ملی ہے۔ پس اگر تو نے مجھے کشتی میں پچھاڑ دیا تو میں سمجھ لوں گا کہ تو نبی ہے چنانچہ اُس نے نبی کو کشتی لڑنے کی دعوت دی اور نبی نے اُسے گرا دیا۔ رِكَانَہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ کشتی لڑنے کے موقع پر ہی مسلمان ہو گئے تھے۔

ابن حجر کی اس روایت میں یہ تو آیا ہے کہ مقابلہ مکہ کے کسی پہاڑ میں ہوا تھا، مگر شرط لگانے کا ذکر اس میں بھی نہیں ہے۔ زیادہ مشہور روایت یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رِكَانَہ سے کشتی لڑی تھی اور اسے شکست دی تھی، مگر بکریوں کی شرط لگانے کا ذکر ان روایات میں نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ راوی نے اختصار سے کام لے کر بکریوں کی بازی لگانے والا حصہ حدیث سے حذف کر دیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شرط لگانے کا واقعہ یزید بن رِكَانَہ سے متعلق ہو اور رِكَانَہ سے متعلق نہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے کشتی لڑی ہو۔

لیکن امام ابو نعیم اصفہانی (متوفی ۵۴۳ھ) نے رکابہ کے ساتھ کشتی لڑنے کی جو طویل روایت ابوامامہ سے نقل فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقابلہ مدینہ کی وادی اضم میں ہوا تھا۔ اس روایت کا خلاصہ یہ ہے:

(ابوامامہ فرماتے ہیں کہ رکانہ سب سے زیادہ طاقتور اور سپہلوان شخص تھا۔ یہ ایک وادی میں بھیڑ بکریاں چراتا تھا جس کا نام اضم تھا۔ نبی کریم ایک روز عائشہؓ کے گھر سے نکل کر اس وادی میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔ رکانہ آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم ہو وہ شخص جو ہمارے خداؤں لات و عزری کو گالی دیتے ہو؟ اگر میرا تمہارے ساتھ رشتہ نہ ہوتا تو میں تمہیں بات کرنے سے پہلے ہی قتل کر دیتا۔ تم اب اپنے خدا کو پکارو جو تم کو مجھ سے چھڑا دے۔ میں تمہیں کشتی لڑنے کا چیلنج دیتا ہوں۔ اؤ میرے ساتھ کشتی کا مقابلہ کرو اور اپنے خدا کو پکارو جو تمہاری مدد کرے اور میں لات و عزری کو پکاروں گا، اگر تم نے مجھے گرا دیا تو اپنی بھیڑ بکریوں میں سے دس بکریاں تمہیں دے دوں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو یہی چاہتا ہے تو ٹھیک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے مدد مانگی اور کشتی لڑنا شروع کر دی۔ رکانہ نے لات و عزری کو پکارا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے گرا دیا اور اُس کے سینے پر بیٹھ گئے۔ رکانہ نے کہا یہ مقابلہ تم نے نہیں جیتا بلکہ تمہارے خدا نے یہ کام کیا ہے اور لات و عزری میری مدد کو نہیں پہنچ سکے۔ دوبارہ مقابلہ کرو، اگر جیت گئے تو دس بکریاں اور دے دوں گا۔ دوبارہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گرا دیا۔ اس نے کہا تیسری بار مقابلہ کرو دس بکریاں اور دے دوں گا۔ مگر تیسری بار بھی وہ شکست کھا گیا۔ رکانہ نے کہا لے جاؤ یہ تیس بکریاں۔ میرے خدا لات و عزری نے میری مدد نہیں کی اور تمہارے خدا نے مدد کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بکریوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تو اسلام قبول

کر لے۔ اسلام لے آتا کہ اللہ کے عذاب سے بچ جائے۔ رکان نے کہا نہیں جب تک تم مجھے کوئی نشانی نہیں دکھاؤ گے میں اسلام قبول نہیں کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک درخت کو اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو کر آپ کے پاس آ گیا۔ رکان نے کہا کہ تم نے بہت بڑی نشانی دکھائی ہے۔ اب اس درخت سے کہو کہ واپس اپنی جگہ پر چلا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا تو وہ واپس چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا "اسلم تسلّم" مسلمان ہو جاؤ اور اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو جاؤ۔ رکان نے کہا میں نے واقعی آپ کے صدق کی بڑی نشانی دیکھی ہے، لیکن میں یہ برواشت نہیں کر سکتا کہ مدینہ کی عورتیں اور بچے ایک دوسرے سے کہیں کہ رکان نے تجھ سے (رسول اللہ سے) مرعوب ہو کر اسلام قبول کیا ہے، حالانکہ مدینہ کی عورتیں اور بچے جانتے ہیں کہ مجھے آج تک کسی نے گھسی میں نہیں گرایا اور نہ میرے دل میں ایک لمحے کے لیے کسی کا رعب پڑا ہے۔ بس تم اپنی یہ تمیں بکریاں لے کر چلے جاؤ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تیری بکریوں کی ضرورت نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ سامنے سے ابو بکرؓ اور عمرؓ آپ کو تلاش کرتے ہوئے نظر آئے۔ ان دونوں نے حضرت عائشہؓ کے گھر آکر پوچھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا کہ ماویٰ ائم کی طرف نکل گئے ہیں۔ یہ دونوں جانتے تھے کہ یہ تو رکان کی وادی ہے۔ آپ کو دیکھتے ہی انہوں نے کہا آپ اکیلے ادھر کیسے تشریف لے گئے تھے؟ آپ تو جانتے ہیں کہ ادھر رکان رہتا ہے جو بہت زیادہ طاقتور اور پہلوان ہے اور آپ کی مخالفت میں بھی سخت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا کیا اللہ نے نہیں فرمایا کہ "وَاللّٰهُ يَعْصَمُكَ مِنَ النَّاسِ" (اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے گا) رکان مجھے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا، اس لیے کہ اللہ میرے ساتھ ہے۔

اس کے بعد آپ نے ان کو سارا عقد سنایا۔ انہوں نے  
حیران ہو کر پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے مکرانہ کو کشتی میں گرا دیا ہے؟  
اس کو تو آج تک کسی نے نہیں گرایا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے  
اپنے اللہ کو پکارا اور اُس نے میری مدد فرمائی۔

اس روایت میں جس وادی اضم کا ذکر آیا ہے اُس کے بارے میں یا قوت حموی  
نے لکھا ہے کہ یہ مدینہ کے قریب مدینہ ہی کی حدود میں ایک وادی کا نام ہے۔  
اضم مختلف جگہوں کے نام تھے، مگر اس روایت میں صحیحی طور پر "عائشہ کے گھر"  
اور مدینہ کا نام آیا ہے، اس لیے یہاں مدینہ ہی کی وادی مراد ہے۔ اس روایت سے  
صاف طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ کشتی کا یہ مقابلہ مدینہ میں ہوا تھا اور مدینہ تو دارالاسلام  
بن گیا تھا جس میں قمار اور ربا بالاتفاق حرام ہیں، اگرچہ یہ قمار کی صورت بھی نہیں تھی۔  
مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں شدید اضطراب ہے۔ بعض روایات میں  
آیا ہے کہ یہ مقابلہ مکہ مکرمہ میں ہوا تھا اور بعض میں آیا ہے کہ مدینہ منورہ میں ہوا تھا۔  
بعض روایات میں آیا ہے کہ مقابلہ رکانہ سے ہوا تھا اور بعض میں آیا ہے کہ مقابلہ رکانہ  
کے بیٹے یزید کے ساتھ ہوا تھا۔ بعض روایات میں بکریوں کی شرط لگانے کا ذکر آیا ہے  
اور بعض میں اس کا ذکر ہی نہیں ہوا۔ آخر ایسی مضطرب المتن حدیث کو نصوص صحیحہ کے  
مقابلے میں کس طرح دلیل بنایا جاسکتا ہے، جبکہ اس میں ذکر کردہ صورت جوئے اور  
قمار کی تعریف میں آتی بھی نہیں ہے۔

۱۔ دلائل النبوة از ابو نعیم اصفہانی ص ۳۹۵ تا ۳۹۷ جلد ۲ فصل تاسع

طبع بیروت ۱۹۸۶ء

۲۔ معجم البلدان للحموی ۲۱۲ ص ۲۱۲ جلد مادہ اضم

یہ ہیں وہ چھ دلائل جن کو دارالمحرب میں سود کے جواز میں پیش کیا گیا ہے اور مذکورہ تحقیق سے ثابت ہو گیا ہے کہ ان چھ دلائل میں سے ایک بھی دلیل نہیں بن سکتی اور صحیح مسلک ائمہ ثلاثہ اور ابولوسف کا یہی ہے کہ سود دارالمحرب میں بھی حرام ہے اور دارالاسلام میں بھی حرام ہے۔



## علمائے دیوبند کا فتویٰ

ابن الہمام حنفیؒ اور ابن عابدین شامی حنفیؒ کا حوالہ دیا جا چکا ہے کہ ان کو دارالہرب میں جوازِ ربا پر پورا اطمینان حاصل نہیں ہے؛ بالخصوص حربی کافر کو سود دینے کے جواز پر تو ابن الہمام بالکل مطمئن نہیں ہیں۔

علماء دیوبند کے بعض ممتاز علمائے جو حنفی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں امام ابو یوسفؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے اور دارالہرب میں بھی سودی لین دین کو ناجائز کہا ہے جو شافعی، مالکی اور احمد کا مسلک بھی ہے۔ چند حوالے ملاحظہ کیجیے:

۱۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہندوستان کو دارالہرب سمجھتے تھے اور ان سے سوال بھی دارالہرب میں سود کے بارے میں ہوا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا:

کفار سے بھی سود لینا درست نہیں ہے۔“ لے

۲۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ:

حنفی ہونے کے باوجود حضرت تھانویؒ نے امام ابو یوسفؒ کی رائے کو ترجیح دی ہے اور دارالہرب میں ہر قسم کے سودی لین دین کو ناجائز قرار دیا ہے۔ لے

۳- مفتی عزیز الرحمن :

دارالعلوم دیوبند کے مفتی عزیز الرحمن کا فتویٰ بھی عدم جواز کا ہے اور اس رائے کو انہوں نے باقی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے نقل کیا ہے۔

۴- مفتی کفایت اللہ :

مفتی کفایت اللہ اگرچہ دارالحرب کی حدود کے اندر غیر مسلم حربی سے سود لینے کی اجازت دیتے ہیں، مگر حربی کفار کو سود دینا انہوں نے بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

۵- مولانا مودودیؒ نے بھی دارالحرب میں سودی لین دین کو ناجائز قرار دیا ہے۔

(ب) سودی معاہدوں کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے :

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ سود صرف اسلامی ریاست کے شہریوں پر حرام نہیں ہے، بلکہ اسلامی ریاست اور غیر اسلامی ریاست کے درمیان بھی حرام ہے، تو اب ہمیں تنقیح طلب امور میں سے اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ کیا سودی معاہدوں کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ اور کیا شریعت ایسے معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیتی ہے؟ خواہ یہ معاہدے مسلمان حکومتوں کے ساتھ ہوتے ہوں یا غیر مسلم حکومتوں کے ساتھ ہوتے ہوں۔ افراد کے درمیان ہوتے ہوں یا اداروں کے درمیان ہوتے ہوں۔ ملک کے اندر ہوتے ہوں یا بین الاقوامی معاہدے ہوں۔ جب ہم اس سوال کا جواب قرآن کریم اور سنتِ رسولؐ کی روشنی میں معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر روزِ روشن کی طرح

۱۔ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند عزیز الفتاویٰ طبع کراچی باب السلم والربا ص ۶۶۵، ۶۶۶ جلد ۶

۲۔ مفتی کفایت اللہ مفتی طبع طمان ص ۶۹-۷۱ جلد ۸

۳۔ "سود" از مولانا مودودیؒ



ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ قرآن و سنت کے احکام کی خلاف ورزی کر کے اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا عہد توڑ کر معاہدے کرنا حرام ہے اور ایسے معاہدوں کا پورا کرنا بھی حرام ہے۔ یہ درست ہے کہ قرآن و سنت میں ایٹھے عہد کی بڑی تاکید کی گئی ہے اور وعدہ خلافی و عہد شکنی منافق کی نشانی ہے اور مباحات و عرفیات میں معاہدوں پر فیصلوں کا دار و مدار بھی ہوتا ہے، لیکن سب سے بڑا عہد ہر مومن نے اپنے خدا اور اپنے رسول کے ساتھ کیا ہے، بلکہ ایمان تو نام ہی عہد اطاعت خدا و رسول کا ہے۔ خالق و مالک کے ساتھ جو عہد اطاعت کیا گیا ہے اُسے توڑ کر مخلوق کے ساتھ کیسے گئے عہد کو پورا کرنا آخر کس عقلی اور شرعی اصول پر جائز قرار دیا جاسکتا ہے؛ جبر و اکراہ کی صورت یا اضطرار کی صورت کا حکم تو الگ ہے، لیکن بغیر جبر و اکراہ کے اور بغیر کسی اضطراری حالت کے اللہ اور رسول کے احکام کی مخالفت کر کے معصیت کے معاہدے کرنا اور پھر ان کو پورا کرنا تقاضائے ایمان نہیں ہے۔ اس بارے میں قرآن کریم کی چند آیات بطور نمونہ پیش خدمت ہیں ان پر غور فرمائیے:

”وَأَذِّنَا لِلْمُهَيْمِنِينَ إِذْ بَعَثْنَا لِمُوسَىٰ أَنْ ذَرِكْ مَا بَدَّ يَأْتِي فَاذْهَبْ“ (البقرہ ۲۶- آیت ۲۰)

(اور تم میری اطاعت کا عہد پورا کرو میں تمہیں ابجدینے کا عہد پورا کروں گا اور تم مجھ ہی سے ڈرو)

”الَّذِينَ يَتَّقُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَدْوٍ بِمِثَاقِهِ“ (البقرہ ۲۶- آیت ۲۷)

(فاسق وہ لوگ ہیں جو اللہ سے کیا ہوا عہد توڑتے ہیں اس کو مضبوط باندھنے کے بعد)

”وَأَذِّنَا لِلْمُهَيْمِنِينَ إِذَا عَاهَدْتُمْ“ (النحل ۱۶- آیت ۹۱)

(اور اللہ کی اطاعت کا عہد پورا کرو جب کہ تم یہ عہد کر چکے ہو)

”الَّذِينَ يُؤْتُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَشْقُوقُونَ الْمِثَاقَ“ (الروعد ۱۳- آیت ۲۵)

دانشمندہ لوگ ہیں جو اللہ کی اطاعت کا عہد پورا کرتے ہیں اور اس مضبوط  
عہد کو توڑتے نہیں ہیں (

”وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ“ (الرعد ۱۳- آیت ۲۵)  
(اور لعنت ہے ان پر اللہ کی جو اطاعت کا عہد توڑتے ہیں اس کے مضبوط  
باندھنے کے باوجود)

”وَلَا تَشْكُرُوا بَعْدَ إِعْهَادِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا“ (النحل ۱۶- آیت ۹۵)

(اور اللہ کی اطاعت کا عہد توڑنے کے بدلے تھوڑا بدلہ نہ لو) (ساری دنیا  
قلیل ہے)

کسی بات پر اگر عام عہد ہی نہ کیا گیا ہو، بلکہ اس پر قسم بھی اٹھائی گئی ہو پھر بھی  
اگر وہ کام بزد تقویٰ کے خلاف ہو تو اس قسم کو پورا کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ اسے توڑنا  
واجب ہے۔ جاہلیت میں ایک جاہلانہ رواج یہ تھا کہ اللہ کی قسم کھا کر کہہ دیتے کہ ہم فلاں  
اور فلاں کام نیکی کا اہل تقویٰ کا نہیں کریں گے اور پھر اگر کوئی کہتا کہ نیکی کا یہ کام کرو تو  
کہہ دیتے کہ ہم تو اس کی قسم کھا چکے ہیں۔ اسی طرح کسی گناہ کے کرنے کی قسم کھا لیتے۔  
اگر کوئی کہتا کہ گناہ کا یہ کام نہ کرو تو کہہ دیتے کہ ہم قسم کھا چکے ہیں کہ یہ کام کریں گے۔  
اس جاہلی دستور کی تردید میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے،

”وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصَلُّوا بَِيْنَ

النَّاسِ ط وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ“ (البقرہ ۲۴- آیت ۲۲۴)

(اور نہ بناؤ اللہ کے نام کو رکاوٹ اپنی قسموں کے ذریعے نیکی کرنے سے۔

تقویٰ و پیرہیزگاری سے اور لوگوں کے درمیان صلح کرانے سے اور اللہ سننے

والا اہد جاننے والا ہے)

قسمیں پورا کرنے کی تاکید عام عہد کے ایجاب سے زیادہ ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے:

”وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ“ (المائدہ ۵-۸۹) (اپنی قسموں کی حفاظت کرو) یعنی انہیں نہ توڑو، بلکہ پورا کرو۔ باوجود اس کے مذکورہ بالا آیت میں اللہ کا حکم یہ ہے کہ نہ تو تقویٰ کے کام کرنے کے راستے میں اللہ کے نام پر کھائی گئی قسم کو رکاوٹ نہ بناؤ، یعنی اس قسم کو توڑ ڈالو اور پُر تو تقویٰ کے کام کرو۔

ظاہر ہے کہ سو دکھانا اور کھلانا گناہ ہے اور موجب لعنت ہے تو اس کی ادائیگی کا عہد اگر قسم کے ساتھ بھی کیا گیا ہو پھر بھی اسے توڑنا نیکی اور تقویٰ ہے۔ پورا کرنا تو تقویٰ نہیں ہے۔

”عن عبد الرحمن بن سمرہ قال لى النبى يا عبد الرحمن بن سمره.....  
واذا حلفت على يمين فرأيت غيرها خيراً منها فكن عن يمينك  
وأنت الذى هو خير“ لے

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد الرحمن بن سمرہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا جب تم کسی کام کی قسم اٹھا لو اور اس کے خلاف کام کرنا تمہیں بہتر نظر آئے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو اور وہی کام کرو جو بہتر ہو)

”عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جدته قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.....  
ومن حلف على يمين فرأى غيرها خيراً منها فليدعها  
والىأت الذى هو خيراً فان تركها كفارتها“ لے

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے کام کی قسم کھائی ہو، لیکن اس کے خلاف کام کرنا اسے بہتر نظر آئے تو اس کام کو چھوڑ دے اور

وہ کام کرے جو بہتر ہو، اس لیے کہ ایسے کام (جو بہتر نہ ہوں) کو نہ کرنا اس کا  
کفارہ ہے۔)

سود دینے کا معاہدہ ظاہر ہے کہ تقویٰ کے خلاف ہے جسے پورا کرنا جائز نہیں ہے؛  
بلکہ اسے توڑنا واجب ہے۔ اس سلسلے میں حدیث بریدہؓ قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔  
بریدہؓ نے موانی سے کہا تھا کہ اگر عائشہؓ تمہیں قیمتاً خرید کر آزاد کرنا چاہتی ہیں تو کہیں مگر  
ولا (میراث) کا حق ہمیں حاصل ہوگا۔ یہ شرط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد  
کے خلاف تھی کہ "انما الولاء لمن اعتق" (میراث اس کا حق ہے جس نے آزاد کیا ہو)  
اس غیر شرعی شرط کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"فصمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر فقال ما بال اقوام  
يشترطون شروطاً ليست في كتاب الله من اشترط شوطاً ليس  
في كتاب الله فليس له وان اشترط مائة مرة" لہ

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر رونق افروز ہو کر فرمایا کیا بُری حالت  
ہے ان لوگوں کی جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب (شریعت)  
میں جائز نہیں ہیں۔ جس نے بھی کوئی ایسی شرط لگائی جو اللہ کی کتاب  
(شریعت) میں جائز نہ ہو تو اس کی یہ شرط پوری نہیں کی جائے گی، اگرچہ  
اُس نے سو مرتبہ لگائی ہو)

لہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ۲۰ مقامات پر نقل کی گئی ہے۔ ابواب المساجد باب ذکر  
البيع والشراء علی المنبر فی المسجد۔ رقم الحدیث ۴۴۲۲۔ دوسرے ارقام یہ ہیں:

۱۴۲۲ - ۲۰۴۷ - ۲۰۶۰ - ۲۳۹۹ - ۲۴۲۱ - ۲۴۲۲ - ۲۴۲۳ - ۲۴۲۴ - ۲۴۲۵ - ۲۴۲۶ - ۲۴۲۷ - ۲۵۴۸ -

۲۵۷۹ - ۲۵۸۴ - ۲۹۸۰ - ۴۳۳۹ - ۴۳۷۰ - ۴۳۷۲ - ۴۳۷۳ - ۴۳۷۴ - ۴۳۷۵ -

قرض پر سود ادا کرنے کی شرط ظاہر ہے کہ اللہ کی شریعت کے خلاف ہے۔ اس لیے سودی شرائط کے ساتھ جو معاہدے بھی کیے گئے ہوں یا کیے جائیں تو ان کو پورا کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اصل راس المال واپس کرنا لازم ہوگا اور سود کی شرط کا عدم ہوگی۔ اس لیے کہ اللہ کی کتاب میں جائز نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ نے فرمایا ہے :

”كُلُّ شَرْطٍ خَالَفَ كِتَابَ اللَّهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ اشْتَرَطَ مَا تَا شَرْطٌ“

(جو شرط اللہ کی کتاب کے خلاف ہو وہ باطل ہوگی، اگرچہ سو شرطیں لگائی ہوں) اس قول سے حضرت عمرؓ کے دوسرے قول کی تشریح ہو جاتی ہے جس میں انہوں نے فرمایا ہے :

”مَقَاتِعُ الْحَقُوقِ عِنْدَ الشَّرُوطِ وَ لَنْكَ مَا شَرَطْتَ“

(حقوق کا فیصلہ شرطیں پوری کرنے پر ہوگا اور جو شرط تو نے لگائی ہے

وہ تیرا حق ہے)

اس سے مراد حضرت عمرؓ کی وہ شرطیں ہیں جو شریعت کے خلاف نہ ہوں۔ مذکورہ شرعی نصوص سے ثابت ہوتا ہے کہ جو سودی معاہدے پہلے سے کیے گئے ہیں وہ از روئے شریعت سود کی ادائیگی یا وصولی کی حد تک کا عدم ہیں اور ان پر عمل درآمد کرنا

۱۔ بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی المہر

۲۔ بخاری کتاب الشروط باب يجوز من الاشرط

امام ترمذی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ ”المسلمون علی شروطہم الا شرطاً حراماً حلالاً و اد اهل حواماً (طبع کراچی ۲۵۱) یعنی مسلمان اپنی شرطوں پر قائم رہتے ہیں سوائے کسی ایسی شرط کے جو کسی حرام چیز کو حلال اور حلال چیز کو حرام ٹھہراتی ہو۔“ (گوہر رحمان)

خلافِ اسلام ہے اور آئندہ کے لیے سو دیا دوسری غیر اسلامی شرائط پر معاہدے کرنا ممنوع ہے۔ عدالت کو شرعاً یہ حق حاصل ہے بلکہ اس کا فرض ہے کہ قرآن و سنت کے خلاف معاہدے کرنے سے حکومت، اداروں اور افراد سب کو روک دے۔

دفتاری شرعی عدالت بھی قانونِ معاہدہ ۱۸۷۲ء کی دفعہ ۲۳ کے بارے میں ۲۰ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو فیصلہ دے چکی ہے کہ دفعہ ۲۳ میں اس معاہدے کو بھی کالعدم قرار دیا جائے جو قرآن کریم اہدٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی جود سے ممنوع ہو۔ اور سپریم کورٹ کی شریعت پنج نے بھی دفعہ ۲۳ کے بارے میں دفتاری شرعی عدالت کے حکم کی توثیق کی ہے۔ یہ فیصلہ زیر بحث مسئلے میں بھی نظیر بن سکتا ہے، اس لیے کہ سو دینے یا لینے کا معاہدہ بھی قرآن و سنت کے خلاف ہے، لہذا کالعدم ہونا چاہیے۔

صحیح بخاری کتاب الصلح میں ایک باب قائم کیا گیا ہے جس کا عنوان یہ ہے:

”باب اذا صلحوا علی جوہ فہو مسرود۔“ یعنی باب ہے اس بارے میں کہ جب

فریقین خلافِ شریعت شرائط پر صلح کر لیں تو یہ معاہدہ کالعدم ہوگا۔ امام بخاری نے اس مصالحت و معاہدے کے کالعدم ہونے کے ثبوت میں یہ حدیث پیش فرمائی ہے:

”ایک شخص کے ملازم نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا تھا۔ زانی کے والد

نے تنہا بکریوں اور ایک لونڈی کے بدلے میں صلح کروالی۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے اس مصالحت کو کالعدم قرار دے دیا۔

بکریاں اور لونڈی زانی کے والد کو واپس دلوا دی۔ زانی کو سو کوڑے لگوائے

اور ایک سال تک جلا وطن کر دیا اور مزینہ کو جو (شادی شدہ تھی) رجم

کروایا“۔

مباحث بھی معاہدہ ہوتا ہے۔ زنا چونکہ قابلِ راضی نامہ نہیں ہے اس لیے یہ صلح اور معاہدہ شریعت کے حکم یعنی حد زنا کے خلاف تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کالعدم قرار دے دیا۔ امام بخاری نے اس حدیث کو غیر شرعی معاہدے کے مرفوع ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ سو دی معاہدوں کا خلاف شریعت ہونا مدبرِ روشن کی طرح عیاں ہے اور محتاجِ بیان نہیں ہے۔ درج بالا حدیث میں بیان کردہ ”صلح جور“ اس کی نظیر بن سکتی ہے۔ یہ ایک واضح مسئلہ ہے، لیکن چونکہ کچھ لوگ یہ مغالطہ انگیزی کرتے ہیں کہ ہم معاہدے کر چکے ہیں، اس لیے سودا کرنا ایسا تے عمد کی وجہ سے ہم پر شرعاً لازم ہے، تو اس وجہ سے میں نے تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ اس نکتے کی وضاحت ضروری سمجھی کہ غیر اسلامی معاہدے کالعدم تصور ہوتے ہیں اور ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔

کیا بین الاقوامی سودی معاہدے ”نظریہ ضرورت“ کے تحت جائز ہیں؟

جب شرعی اور قطعی دلائل سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ سودی معاہدے کالعدم ہیں، ان کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اور ان کی بنیاد پر سود کی ادائیگی بھی شرعاً جائز نہیں ہے، تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ”الضرورات تبیح المحظورات“ اور ”الضرورة“ تجلیب الیسیر کے شرعی قواعد کے تحت مجبوری کی وجہ سے بین الاقوامی سودی معاہدوں کی اور ان کی بنیاد پر سود کی ادائیگی کی اجازت دی جاسکتی ہے؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لیے پہلے نظریہ ضرورت کے ان قواعد کی تشریح کرنا ضروری ہے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ سودی لین دین پر ان قواعد کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں؟

مذکورہ دو قواعدوں کا مفہوم ایک ہی ہے جو یہ ہے کہ ضرورتیں ممنوع چیزوں کو حلال کر دیتی ہیں اور ضرورت پوری کرنے کے لیے شریعت کے احکام میں آسانی پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس شرعی قاعدے کا ماخذ درج ذیل آیات اور کچھ احادیث ہیں:

”اِنَّهَا حَرَمٌ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا اُهْلَ بِهِ لغيرِ اللَّهِ مِنْ اَصْطَطَ غَيْرِ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا اَنْتُمْ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ“

(البقرہ ۲۴ - آیت ۱۷۳)

بے شک اللہ نے تو تم پر حرام کیا ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جو غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو۔ پس جو شخص ان کے کھانے پر مجبور ہو جائے اس حال میں کہ نافرمانی کرنے والا بھی نہ ہو اور حد ضرورت سے تجاوز کرنے والا بھی نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے سبے شک اللہ بخشنے والا ہے اور مہربان ہے)

فَمَنْ اَصْطَطَ فِي مَحْضَةٍ غَيْرِ مَتَّجَانِفٍ لِاَشْرَافَاتِ اللَّهِ عَفُوٌّ رَحِيمٌ (المائدہ ۳)

(پس جو کوئی بھوک کی شدت کی حالت میں حرام کھانے پر مجبور ہو جائے بشرطیکہ گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو (واقعی مجبور ہو) تو اللہ اسے بخشنے والا ہے اور مہربان ہے)

اسی مضمون کی تین آیتیں اور بھی ہیں۔ (الانعام ۶-۱۱۹، ۱۲۵- النحل ۱۶- ۱۱۵)

ان پانچ آیات میں اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے۔ لفظ اضطرار کا مادہ ضرر ہے اور اس کے معنی ہیں کسی چیز کے استعمال پر یا کسی کام کے کرنے پر اس طرح مجبور ہو جانا کہ کوئی دوسرا راستہ اور طریقہ اس سے بچنے کا نظر نہ آتا ہو۔ یہ مفہوم قرآن کریم کی دوسری آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً:

”وَمَنْ كَفَرَ فَاَمَّتْهُ قَلِيلًا ثُمَّ اَصْطَطَ اِلَى عَذَابِ النَّارِ“ (الحج ۲۲-۱۳)

(اور جس نے انکار کیا ہو اسے تھوڑی مدت تک فائدہ پہنچا دیں گے (دنیا کی زندگی

میں) اور پھر ہم اسے مجبور کر دیں گے (دوزخ میں جانے پر)

”ثُمَّ مَدَّ قَلِيلًا ثُمَّ نَضَّضْتُ اِلَى عَذَابِ غَلِيظٍ“ (الاعناب ۳۱-۲۴)



نافیہ پہنچادیں گے ہم ان کو تھوڑی مدت تک اور پھر مجبور کر دیں گے ان  
کو شدید عذاب میں چلے جانے پر)

ان دونوں آیتوں میں لفظ اضطراب شدید مجبوری کے معنوں میں استعمال ہوا ہے کہ  
دوزخ میں چلے جانے سے ان کو کوئی تدبیر نہیں بچا سکے گی اور کوئی راستہ اور طریقہ اس سے  
بچنے کا ان کو نظر نہیں آئے گا۔ اس نوع کی مجبوری، مشقت اور بے قراری کا نام اضطراب  
ہے۔

عربی لغت کے ماہرین نے لکھا ہے کہ قد اضطراباً الی الشیء کے معنی ہیں اُلجعتی  
الیہ، یعنی "غلام شخص اس پنیز پر مجبور کر دیا گیا ہے یا مجبور ہو گیا ہے۔"  
غیر بلاغ کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ارادہ نافرمانی اور حکم الہی سے بغاوت کا نہ ہو، بلکہ  
ضرورت واقعی اور حقیقی ہو، یہ نہیں کہ کسی کے دل میں شریعت کے احکام کا احترام ہی  
نہ ہو اور وہ حرام چیزوں سے لذت حاصل کرنا چاہتا ہو اور ولوعاد کے معنی یہ ہیں کہ حد  
ضرورت سے تجاوز نہ کرتا ہو، یعنی شدید مجبوری اور واقعی ضرورت کے بغیر حرام کا ارتکاب  
کرنا بغاوت ہے اور ضرورت کی مقدار سے زیادہ استعمال کرنا عدوان ہے لیکن سورۃ مائدہ  
کی آیت نمبر ۲ میں فی مخصیۃ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں:

"الجوع وخلاء البطن من الطعام" تھ

(شدید بھوک اور پیٹ کا خودراک سے خالی ہو جانا)

اُردو زبان میں تو لفظ ضرورت اور حاجت دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے

تھ ۱ لسان العرب اذاب بن منظور لریقی ص ۲۸۳ جلد ۴ مادہ ضرر وقاموس ص ۵۵ مادہ ضرر۔

تھ ۲ تفسیر قرطبی سورۃ بقرہ آیت ۱۷۳

تھ ۳ تفسیر قرطبی و تفسیر کبیر سورۃ بقرہ آیت ۱۷۳

ہیں، لیکن عربی زبان میں ضرورت مطلق حاجت کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ اضطرار کے معنی میں آتا ہے۔ فقہاء کرام نے درج بالا وجوہات کی روشنی میں ضرورت کی قانونی تعریف اس طرح کی ہے:

” فالضرورة تَبْلُوْهُ حَتَّىٰ اَنْ لَّمْ يَتَنَاوَلَ الْمَنْعُوعَ هَلَكًا اَوْ بَقَاَدَبًا و

هَذَا اِيْبَحُّ تَنَاوَلَ الْحَرَامِ“ لے

(ضرورت کسی کا ایسی حد کو پہنچ جانا ہے کہ اگر وہ ممنوع چیز کا استعمال نہ کرے تو مر جائے گا یا موت کے قریب ہو جائے گا ایسی ضرورت کے وقت حرام کار تکاب مباح ہو جاتا ہے)

” وَالْحَاجَةُ كَالْحَاجَةِ الَّذِي لَوْ لَمْ يَجِدْ مَا يَأْكُلُهُ لَمْ يَهْلِكْ غَيْرَ اِنَّهُ يَكُوْنُ فِي

جُهْدٍ وَّمَشَقَّةٍ وَهَذَا اِيْبَحُّ الْحَرَامِ“ لے

خ: اور حاجت یہ ہے کہ جیسے وہ بھوکا شخص جسے اگر کھانے کو کچھ نہ مل سکے تو

مرے گا نہیں، البتہ سخت تکلیف و مشقت میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس حالت

میں حرام چیز اُس کے لیے مباح نہیں ہوگی (لیکن روزہ توڑنا جائز ہوگا)۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ ضرورت اس حالت کا نام ہے کہ اگر حرام کار تکاب

بقدر ستر متی نہ کرے تو مرنے کا شدید خطرہ ہو یا کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو یا

قریب الموت حالت سے دوچار ہو۔ اس کو ضرورت و اضطرار کہا جاتا ہے جو حرام کو حلال

بنادیتی ہے بقدر ضرورت اور بوقت ضرورت۔ اور حاجت صرف تکلیف و مشقت کا

نام ہے جو قابل برداشت ہو۔ یہ حرام کو حلال نہیں ٹھہرا سکتی۔

انسان کی احتیاج کا ایک تیسرا مرتبہ ہے جس کو فقہاء نے منفعت کا نام دیا ہے :  
 ”والمنفعة كالذمی یشتمی البیرو لحم الغنم والطعام الذمیم“  
 (منفعت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو گندم کی روٹی، بکرے کے گوشت  
 اور مرغن کھانے کا شوق ہے)

یعنی اگر کوئی شخص حرام کا ارتکاب نہ کرے تو نہ اس کے مرنے کا خطرہ ہے اور  
 نہ اسے کسی شدید تکلیف و مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، البتہ وہ مزید فائدہ اور قوت حاصل  
 نہیں ہوتی جو حرام کھانے سے بظاہر حاصل ہوتی ہے، مثلاً اسے پیٹ بھر کر کھانے کے  
 لیے جوگی روٹی اور عمام قسم کا سالن تیسرا ہے، مگر اسے گندم کی روٹی اور بکرے کے گوشت  
 کا سالن کھانے کا شوق ہے تاکہ اس کی قوت میں اضافہ ہو، گو یہ ایک جائز خواہش ہے  
 جسے جائز ذرائع سے پوری کر سکتا ہے، مگر اس خواہش کی تکمیل کے لیے حرام ذریعہ استعمال  
 نہیں کر سکتا اور اس حالت میں شرعی احکام میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔

چوتھا مرتبہ ہے ”ذینت“ کا یعنی ظاہری سجاوٹ و آرائش کا کہ اس سے کوئی حقیقی فائدہ  
 اور منفعت بھی حاصل نہیں ہوتی، ظاہر ہے اس کے لیے تو حرام کے حلال ہونے کا سوال  
 ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اور پانچواں مرتبہ ہے ”فضول“ کا، یعنی سامانِ تعیش جس میں ممنوع چیزوں کا استعمال  
 بھی شامل ہے اور اسراف و تبذیر کی تمام صورتیں بھی فضول میں شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ  
 فضول خرچی اور اسراف و تبذیر بجائے خود ممنوع ہیں۔ ان کے لینے تو حلال مال کا استعمال  
 بھی جائز نہیں ہے۔

ان پانچ مراتب میں سے ضرورت و اضطرار کی صورت حال تو الحمد للہ پاکستان میں موجود نہیں ہے۔ ہمارا ملک اگرچہ غریب ہے۔ ترقی یافتہ اور آسودہ حال نہیں ہے، لیکن ہم پر قومی بھوک کی وہ حالت نہیں آئی کہ اگر ہم مسلم ممالک یا غیر مسلم ممالک سے یا اداروں سے سوڈی قرضے حاصل نہ کریں تو لوگ بھوک سے مرجائیں گے یا موت کے قریب ہو جائیں گے۔ ہمارے اپنے وسائل اتنے ہیں کہ اگر انہیں اسراف و تبذیر کے بغیر استعمال کیا جائے تو ہم میں سے ہر ایک کو اس کی "ضروریاتِ اصلیہ" یعنی بنیادی ضروریات مل سکتی ہیں۔ اگر صحیح منصوبہ بندی کی جائے۔ "خود انحصاری" کی تدابیر اختیار کی جائیں اور مترقیوں کی فضول خرچیوں اور رعایا شیوں کا سدباب کیا جائے تو ہمارے عوام کو بنیادی ضرورت کے علاوہ مزید آرام و آسائش بھی ہم پہنچائی جاسکتی ہے، اس لیے نظریہ ضرورت کا اطلاق سوڈی قرضوں اور سوڈی معاہدوں پر نہیں ہو سکتا اور بین الاقوامی ربا ضرورت و اضطرار کی دلیل پر جائز نہیں قرار دیا جاسکتا، اس لیے کہ ضرورت و اضطرار کی صورت حال سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔

اضطرار اور ضرورت کی ایک اور صورت جبر و اکراہ بھی ہے جس میں حرام کار تکاب قابل مواخذہ نہیں ہوتا :

"مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَأَقْبَلَهُ مُطْمَئِنِّنًا بِالْإِيمَانِ  
وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ  
عَظِيمٌ" (النحل ۱۶-۱۷)

(جو کوئی اپنے ایمان لانے کے بعد اللہ سے انکار کرے بجز اس صورت کے کہ اس پر زبردستی کی گئی ہو دراصل اس کا دل ایمان پر مطمئن (تو وہ مستثنیٰ ہے) لیکن جس کا سینہ کفر کے لیے کھل گیا ہو تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا)

اس آیت میں زبان سے کلمہ کفر کہنے یا کوئی کفر کا عمل کرنے کی اس صورت میں اجازت دی گئی ہے جب کوئی ظالم و جابر اس پر جبر کر رہا ہو اور اس کی جان کو شدید خطرہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی عورت کو زنا پر مجبور کر دیا جائے اور زبردستی کر کے اس کے ساتھ بدکاری کی گئی ہو تو وہ عورت گناہگار بھی نہیں ہے اور اس پر حد بھی نافذ نہیں ہو گی۔ ارشادِ خداوندی ہے :

”وَلَا تَكْرِهُوا عَلَيْهَا إِذَا وَقَعْتُمُوهَا بَعْضُ عَرَضِ النِّسَاءِ ۗ وَالَّذِينَ يُكْرِهُونَ فَإِنَّ اللَّهَ مِنِّي بَعِدَ الْأَكْرَاهِينَ ۗ عَفْوٌ ذَرِيعٌ“ (النور ۳۲-۳۳)

اور اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاک و امین رہنا چاہیں (یہ محض اس لیے) کہ چاہتے ہو تم دنیوی زندگی کا کچھ سامان (مال) جو کوئی انہیں مجبور کرے گا تو اللہ ان کے مجبور کیے جانے کے بعد ان کو بخشنے والا اور مہربان ہے،

لیکن اکراہ سے مراد صرف مار پیٹ اور ڈرانا دھمکانا نہیں ہے بلکہ اس کی فقہی اور قانونی صورت امام جصاص نے اس طرح بیان فرمائی ہے :

”الاکراہ المبیح لذلک ہوان یحاث علی نفسه أو بعض أعضائه  
التلف ان لم يفعل ما امر به فایح له فی هذه الحال ان ینظر  
کلمة الکفر“ ۱

(جو اکراہ کلمہ کفر کہنے کو مباح بنا رہا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی جان یا کسی عضو کے تلف ہونے سے ڈرتا ہو۔ اگر وہ جابر کے حکم کی تعمیل نہ کرے تو اس حال میں اس کے لیے کفر کی بات زبان سے کہہ دینا جائز ہے)

اضطرار کی اس صورتِ حال سے بھی ہم دوچار نہیں ہیں، اس لیے کہ سودی معاہدے کرنے پر ہم کو کسی نے مجبور نہیں کیا اور مجبوری کے معاہدے نافذ بھی نہیں ہو سکتے۔ جب بھی مجبوری کی صورتِ حال ختم ہوئی تو معاہدہ ختم کیا جاسکتا ہے۔ اگر سابقہ معاہدوں کی بنا پر عائد شدہ سود کی ادائیگی کے لیے جبر و اکراہ کی کوئی صورتِ حال پیش آگئی تو حکومت اپنی مجبوری کی وجوہات شرعی عدالت کے سامنے پیش کرے گی۔ اگر عدالت مطمئن ہو گئی کہ جبر و اکراہ کی صورتِ پیش آگئی ہے تو ادائیگی کی اجازت دے دے گی، مگر یہ ادائیگی ان سرمایہ داروں کے ذریعے کرائی جائے گی جنہوں نے سودی قرضوں سے فائدہ حاصل کیا ہے۔

### بین الاقوامی سودی قرضوں سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے :

اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ دنیا کے سامنے اسلامی نظام کا عملی نمونہ پیش کرے تاکہ دنیا اسلام کے نبی بر عدل نظام کی برکات و ثمرات کو دیکھ کر اسلام کی صداقت و حقانیت کی قائل ہو جائے۔ مگر جس صورتِ حال سے ہم دوچار ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارا دستور بھی اسلامی ہے، سیاسی لیڈر بھی مسلمان ہیں اور حکمران بھی مسلمان ہیں، لیکن عملاً ہم غیر اسلامی نظامِ معیشت کو سینے سے لگاتے بیٹھے ہیں۔ سود کا متبادل موجود ہے، لیکن ہم اسے اپنے ملک کے اندر بھی ۴۵ سال میں نافذ نہیں کر سکے ہیں۔ اگر عدل و انصاف کے قیام اور ظلم و استحصا ل کے خاتمے کا حقیقی ارادہ ہے تو فوری طور پر غیر سودی نظام نافذ کر دیا جائے اور غیر اسلامی ممالک کے ساتھ بھی مضاربت و مشارکت اور دوسرے شرعی طریقوں کے مطابق تجارت اور لین دین کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ عزم و ہمت اور جرات کے ساتھ بین الاقوامی مالی اداروں اور حکومتوں کو صاف صاف بتا دیا جائے کہ ہمارا عقیدہ و نظریہ اور ہمارا آئین ہم کو سودی لین دین کی اجازت نہیں دیتا۔ اس لیے

ہم اپنے دین اور اپنے دستور کی رُو سے مجبور ہیں کہ آپ کے ساتھ کوئی سودی معاہدہ نہیں کریں گے اور پہلے سے کیے گئے سودی معاہدے فلاں تاریخ سے ختم کر رہے ہیں۔ آپ کا اصل قرضہ ہم پورا ادا کریں گے لیکن سود ادا نہیں کریں گے، مگر جب ہمارے حکمران اپنے گھر کو سود کی لعنت اور نجاست سے پاک کرنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں تو بین الاقوامی ربا سے ملک کی معیشت کو آزاد کرانے کے لیے جرأت مندانہ اقدامات کس طرح کریں گے۔

### مولانا مودودیؒ کی رائے :

(الف) "میں یہاں مختصراً بتا دینا چاہتا ہوں کہ ایک اسلامی حکومت اس مسئلے کو کیسے حل کر سکتی ہے؟ میرے نزدیک اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ملک کے اندر سود کو بند کر دیا جائے۔ اس کے بعد دوسرے قدم کے طور پر بیرونی تجارت میں سود ختم کرنے کے لیے جدوجہد کی جائے۔ ملک کے اندر حکومت سودی لین دین کو ناجائز قرار دے اور خود بھی سود کا لینا اور دینا ترک کر دے۔ کوئی عدالت سود کی ڈگری نہ دے۔ کوئی شخص اگر سودی کاروبار کرے تو اسے فوجداری جرم کا مجرم گردانا جائے۔ جب تک آغاز ہی میں ایسے فیصلے کن اقدامات نہیں کیے جائیں گے اس امر کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں پیدا ہو سکے گا کہ کوئی ایسا مالیاتی نظام قائم ہو جو سود سے خالی ہو..... داخلی طور پر سود کی بندش کے بعد خارجی لین دین میں بھی اس سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے" لٹ

(ب) اگر حکومت مختلف ممالک سے غیر سودی بنیادوں پر معاہدے کرنے کی کوشش کرے۔

اپنے ملک کے اندر بھی غیر سودی مالی نظام قائم کرے اور بیرونی ممالک میں اپنے تاجروں کی ادائیگی میں بھی مدد دے تو تمام مشکلات کا حل باسانی نکالا جاسکتا ہے۔ (ج) "اسلامی حکومت میں کسی مسلم یا غیر مسلم، کسی ملکی یا غیر ملکی سرمایہ دار کو سودی کاروبار کی قطعاً اجازت نہیں دی جاسکتی۔ اگر ملک میں سود بند کر دیا جائے تو غیر ملکی سرمایہ خود بخود بھاگنا شروع کر دے گا۔ یہ چیز انشاء اللہ ہمارے حق میں مفید ہی ہوگی۔ ہمیں تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی ملک نے غیر ملکی سرمائے کے بل پر ترقی کرنے کی کوشش کی ہو اور وہ اٹا مزید پھندوں میں مدت ہاتھ دراز تک نہ پھنس گیا ہو۔ ہمیں اپنے ملک کے سرمائے سے تجارتی اور صنعتی نشوونما کی جدوجہد کرنی چاہیے۔" (د)

"اب رہے بین الاقوامی قرضے تو اس معاملے میں یہ تو بالکل ظاہر ہی ہے کہ موجودہ سود خوار دنیا میں ہم قومی ضرورت کے لیے کہیں سے ایک پلیسہ بلا سود قرض پانے کی توقع نہیں کر سکتے۔ اس پہلو میں تو ہم کو تمام تر کوشش ہی کرنی ہوگی کہ ہم بیرونی قوموں سے کوئی قرض نہ لیں۔ کم از کم اس وقت تک تو سرگزنہ لیں جب تک کہ ہم خود دوسروں کو اس امر کا نمونہ نہ دکھادیں کہ ایک قوم اپنے ہمسایوں کو کس طرح بلا سود قرض دے سکتی ہے۔" (د)

(د) ایک سوال کے جواب میں مولانا فرماتے ہیں:

"اسلامی حکومت نے کسی دور میں بھی غیر مسلم ممالک سے قطع تعلق کی پالیسی اختیار

۱۔ رسائل و مسائل ۱۵۳ جلد ۲

۲۔ رسائل و مسائل ۱۵۵ جلد ۲

۳۔ سود ۲۲۶ طبع مئی ۱۹۹۰ء



نہیں کی اور نہ آج کرے گی، لیکن قرض کے معنی قرض مانگتے پھرنے کے نہیں ہیں اور وہ بھی ان کی شرائط پر۔ یہ تعلق اس زمانے کے کم ہمت لوگوں نے ہی پیدا کیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ ”اگر اسلامی حکومت قائم ہو تو وہ مادہ ترقی سے پہلے اپنی قوم کی اخلاقی حالت سدھارنے، انتظامی مشینری کی اصلاح کرنے اور اپنی قوم کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرے گی اور ٹیکسوں اور دوسرے ذرائع سے ملک کے اندر سے وسائل فراہم ہوتے رہیں گے۔“ آخر میں فرماتے ہیں کہ:

”میرا اندازہ ہے کہ پاکستان میں اگر اسلامی اصولوں کا تجربہ کیا جائے تو شاید بہت جلد پاکستان دوسروں سے قرض لینے کے بجائے دوسروں کو قرض دینے کے لیے تیار ہو جائے۔ سب القرض اگر ہمیں بیرونی قوموں سے سود پر قرض لینے کی ناگزیر صورت پیش آہی جائے، یعنی ہمیں اپنی ضرورت کو پورا کرنا بھی لازم ہو اور اس کے لیے ملک میں سرمایہ بھی نہ مل سکے تو دوسروں سے سود پر قرض لیا جاسکتا ہے۔“

مولانا مودودیؒ کے مذکورہ بالا پارچہ اقتباسات جس ترتیب سے میں نے نقل کیے ہیں، اسی ترتیب سے ان کا خلاصہ یوں نکالا جاسکتا ہے۔

سب سے پہلے قدم پر ملک سے سود کو ختم کیا جائے اور غیر سودی نظام قائم کیا جائے۔ مختلف ممالک سے غیر سودی معاہدے کرنے کی کوشش کی جائے۔

ملک کے اندر غیر ملکی سرمایہ داروں کو سودی کاروبار کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ جب تک ہم غیر سودی قرضے دینے کا نمونہ پیش نہ کر سکیں اس وقت تک ہم بیرونی قوموں سے کوئی سودی قرضہ نہ لیں۔ غیر مسلم ممالک سے ان کی شرائط پر قرضے لینا کم ہمتی ہے۔ پاکستان میں اگر اسلامی اصولوں کا تجربہ کیا جائے تو بہت جلد ہی ہم دوسروں کو

قرض دینے کے قابل ہو جائیں گے اور ملک کے وسائل کو اگر صحیح طور پر استعمال کیا جائے تو ہمیں بیرونی قرضوں کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی، لیکن ایک مفروضے کے طور پر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ملک میں سرمایہ تیسر نہیں ہے اور ضرورت ناگزیر ہے اور غیر سودی قرضہ نہیں مل سکتا تو یہ پھر اضطرار کی حالت ہوگی، اور ایسی مفروضہ صورت حال میں بقدر ضرورت سود پر قرضہ لیا جاسکتا ہے۔ مولانا مرحوم نے یہ نہیں فرمایا کہ غیر مسلم ممالک سے سودی قرضوں کے معاہدے جاری رکھے جائیں، بلکہ وضاحت کے ساتھ صریح الفاظ میں فرمایا ہے کہ کوئی سودی قرضہ نہ لیا جائے، البتہ کہ اگر اضطرار کی ناگزیر صورت حال پیش آجائے تو رخصت دی جاسکتی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ہم چونکہ اضطراری حالت میں ہیں اس لیے سودی قرضے لینا جائز ہے، بلکہ ایک ممکنہ اور مفروضہ صورت حال کا شرعی حکم بیان فرمایا ہے، لیکن پاکستانی قوم غریب ہونے کے باوجود اضطرار اور ضرورت کی اس صورت حال سے دوچار نہیں ہے جس میں حرام حلال ہو جاتا ہے۔

جماعت اسلامی پاکستان نے ۱۹۶۷ء میں ۸ افراد پر مشتمل ایک اقتصادی پروگرام کمیٹی بنائی تھی جس کا میں بھی رکن تھا۔ اس کمیٹی کی سفارشات و آراء کی روشنی میں جناب نعیم صدیقی صاحب نے ایک کتابچہ مرتب کیا تھا جو ۱۹۶۹ء میں جماعت کے شعبہ نشر و اشاعت نے شائع کیا تھا۔ اس میں کہا گیا ہے کہ:

”بیرونی قرضوں کے سلسلے میں شروع ہی سے یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہم قرضوں کے بغیر کام چلا سکیں اور سرمایہ کی ضرورت کو قومی پیمانے پر سادہ زندگی اور ایثار کی روش اختیار کر کے پورا کر سکیں۔ پھر بھی اگر ترقیاتی منصوبوں یا بڑے بڑے کارخانوں کے قیام کے لیے قرضے لینے پڑیں تو ان

کے بارے میں یہ کوشش مسلسل جاری رہنی چاہیے کہ ایک طرف علمی لٹریچر کے ذریعے اور دوسری طرف عملی حالات و نتائج اور اعداد و شمار کے ذریعے ہم قرض دہندگان کو یہ یقین دلائیں کہ سود کے بجائے ہمارے اصول پر معاملہ کرنا ان کے لیے بھی زیادہ نفع بخش ہے اور وہ ترقیاتی اسکیموں کی نفع آوری میں سے معقول حصہ پاسکتے ہیں، لیکن جب تک اس میں کامیابی نہ ہو تو ناگزیر حد تک جو قرضے لیے جائیں ان پر سود ادا کرنا ایک طرح کا اجتماعی اضطراب ہوگا۔" طے

مجھے یاد نہیں کہ اس وقت میں نے اس مسئلے میں اپنی رائے کن الفاظ میں لوٹ کر دائی تھی۔ میری اصل رائے وہ ہے جو اس وقت پیش کر رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ہم اضطراری صورت حال سے دوچار نہیں ہیں، لہذا سودی قرضے لینا جائز نہیں ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس کتابچے میں ناگزیر اور اضطراب کی حالت کا ذکر ہوا ہے جس میں حرام بقدر ضرورت حلال ہو جاتا ہے، مگر یہ صورت حال پیش نہیں آئی۔

## سودی معاہدوں اور ادائیگیوں کو شریعت کے اطلاق سے مستثنیٰ کرنا قرآن و سنت کے خلاف ہے

اب ہمیں آغاز میں ذکر کردہ چار نتائج طلب امور میں سے اس سوال کا جواب معلوم کرنا ہے کہ کیا غیر ملکی اداروں اور حکومتوں کے ساتھ کیے جانے والے سودی قرضوں کے معاہدوں اور سودی رقوم کی ادائیگیوں کو شریعت کے اطلاق سے مستثنیٰ قرار دینا جائز ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں! قرآن و سنت کے احکام کی پابندی سے کسی چیز کو مستثنیٰ کرنا اللہ کی حاکمیت مطلقہ اور قرآن و سنت کی بالادستی اور برتری کے خلاف ہے اور ایمان کے مقتضیات کی ضد ہے جس کا حق کسی مسلمان حکومت یا مسلمان ادارے

یا مسلمان فرد کو حاصل نہیں ہے۔ نفاذِ شریعت ایکٹ کی دفعہ ۳ (۲) کے خلاف اسلام ہونے کے ثبوت میں نہیں نے جو آیات اس موقر عدالت کی خدمت میں پیش کی تھیں وہ اس دفعہ<sup>۱</sup> کے خلاف اسلام ہونے کے ثبوت میں بھی پیش کی جاسکتی ہیں، چونکہ اس نکتے پر ہمیں اپنی تفصیلی معروضات دفعہ ۳ (۲) پر بحث کے دوران ۱۲ مئی ۱۹۹۲ء کو پیش کر چکا ہوں، اس لیے اس وقت صرف آیات کے حوالوں پر اکتفا کرتا ہوں جو درج ذیل ہیں:

البقرہ - ۲۰۹، ۲۰۸، ۸۵

النساء - ۶۵، ۶۱، ۶۰، ۵۹

المائدہ - ۵۰

الانعام - ۵۷

یوسف - ۳۰

الحجر - ۸۹ تا ۹۳

النور - ۳۸ تا ۵۱

الاحزاب - ۳۶

التھوریٰ - ۱۰

البجانبہ - ۱۸

المجادلہ - ۲۰، ۵

ان آیات کے علاوہ گزشتہ صفحات میں ربا کی حرمت کے بارے میں جو آیات اور احادیث پیش کی گئی ہیں ان میں ربا کو مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے، لہذا اسلامی حکومت اور اداروں کے سودی معاہدے اور سودی ادائیگیاں بھی حرام ہیں۔ خواہ غیر مسلم ممالک اور اداروں کے ساتھ یہ لین دین کیا جائے یا مسلم ممالک اور مسلم اداروں کے ساتھ کیا جائے، تو یہ استثنائی دفعہ حرمت ربا کی آیات و احادیث کے بھی خلاف ہے۔

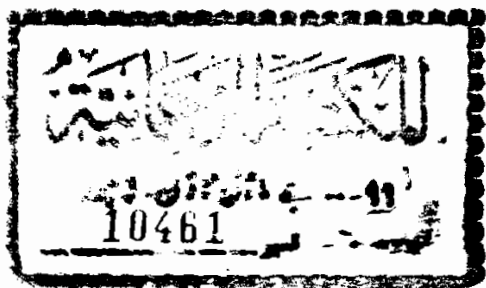
مذکورہ شرعی دلائل کی بنا پر میرا مشورہ اور رائے یہ ہے کہ یہ عدالت اس دفعہ ۱۸ کو بھی خلاف اسلام قرار دے دے، البتہ اگر عاید شدہ سودی رقوم کی ادائیگی پر حکومت اپنے آپ کو مجبور پاتی ہو تو اپنی مجبوری کی وجہ عدالت کے سامنے پیش کرے اور عدالت ان پر غور کر کے مناسب فیصلہ دے، مگر قانون میں سودی معاہدوں کو باقی رکھنے اور آئندہ کے لیے بھی سودی معاہدے کرنے کی شق رکھنا اسلام کے خلاف ہے۔

آخر میں یہ گزارش کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام نے قرض لے کر کام چلانے کی حوصلہ افزائی نہیں کی بلکہ حوصلہ شکنی کی ہے، البتہ قرض دینے کی فضیلت میں احادیث موجود ہیں۔ اسلام نے اپنے ہاتھ کی کمائی کھانے اور اپنے دستیاب وسائل سے کام لینے کی ترغیب دلائی ہے۔ خود انحصاری اور اپنے پاؤں چادر کے مطابق پھیلانے کی روش اختیار کی جائے۔ یہی شریعت کا تقاضا ہے اور یہی عقل و خرد کا تقاضا ہے۔

غیر ملکی سودی قرضوں نے صرف ہماری معیشت ہی کو غیر متوازن نہیں بنایا، بلکہ ہماری سیاست کو بھی ان قرضوں کے پھندوں میں پھنسا دیا ہے۔ میری درخواست ہے کہ شرعی عدالت ان پھندوں کو توڑنے میں اپنا کردار ادا کرے !!!

گوہر رحمان

مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تفسیر القرآن، مرہان



# حُرمتِ سُود

اشکالات کا علمی جائزہ



مولانا گوہر رحمن



ادارۃ معارف اسلامی

ادارۃ معارف اسلامی

منشورہ ○ لاہور ○ پاکستان